اصولِ حدیث
از
نفیس احمد مصباحی
ناشر
مجلسِ برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ
(یوپی) پن ۲۷۶۴۰۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُصُولِ حَدِیث

تالیف

نفیس احمد مصباحی بارہ بنکوی
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ یوپی

ناشر

المجمع القادری، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یو۔ پی

سلسلۂ اشاعت نمبر ا

نام کتاب	اصول حدیث
تصنیف	مولانا نفیس احمد مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور
صفحات	۸۰
اشاعتِ اول	۱۴۲۳ھ / ۲۰۰۲ء
تعداد	گیارہ سو
ناشر	المجمع القادری، مبارک پور، اعظم گڑھ
قیمت	

ملنے کے پتے

۱- المجمع القادری، مبارک پور، اعظم گڑھ، یو. پی۔

۲- المجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یو. پی۔

۳- حق اکیڈمی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یو. پی۔

۴- المجمع المصباحی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یو. پی۔

۵- جامعہ بکڈپو، روناہی، فیض آباد، یو. پی۔

۶- کتب خانہ امجدیہ، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔

انتساب

میں اپنی اس حقیر علمی کاوش کو درج ذیل اساطین امت کی بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کر رہا ہوں جنھوں نے برصغیر میں علم حدیث کی نشر و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا، اور اس کی صحیح تشریح و توضیح فرما کر بے شمار افراد کو ضلالت و گمراہی اور بدعت و کج روی سے بچایا۔

(۱) مجدد السنۃ النبویۃ، برکۃ المصطفیٰ فی الدیار الہندیۃ، علامہ محقق شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۹۵۸ھ۔۱۰۵۲ھ)

(۲) مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی (۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰ھ)

(۳) فقیہ اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی شارح بخاری سابق صدر شعبہ افتاء و ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔ (۱۳۴۰ھ - ۱۴۲۱ھ)

علیہم الرحمۃ والرضوان.

باادب اس عرض تمنا کے ساتھ

اوروں کی طرف پھینکے ہیں گل اور ثمر بھی
اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

نیاز کیش

نفیس احمد مصباحی بارہ بنکوی

فہرستِ مضامین

عنوانات	صفحات

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہٖ وصحبہ اجمعین وعلیٰ من تبعھم باِحسان اِلیٰ یوم الدین.

یہ کوئی ۱۹۹۲ء کی بات ہے جب کہ میں دارالعلوم قادریہ چریا کوٹ مئو میں شعبۂ عربی کے استاذ کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دے رہا تھا دارالعلوم کے مہتمم مصلح قوم وملت حضرت مولانا محمد عبدالمبین نعمانی مصباحی مدّظلہ کے مشورہ اور تحریک پر مقدمۂ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کے ترجمہ اور تشریح کا کام شروع کیا، پہلے ترجمہ کیا، پھر تین چوتھائی حصہ کی شرح بھی ہوگئی، پھر بعض عوارض وموانع کی بنا پر کام رک گیا، کچھ دنوں بعد ۱۹۹۶ء مشرقی یوپی کی مرکزی درسگاہ ''دارالعلوم علیمیہ'' جمداشاہی، ضلع بستی میں عربی ادب کے استاد کی حیثیت سے میرا تقرر عمل میں آیا، وہیں سے تعطیل کلاں کے موقع پر ماہ شعبان میں مع اہل وعیال غریب خانہ کے لئے نکلا اور کچھ اہم ضرورتوں کی تکمیل کے لئے لکھنؤ پہنچا، وہیں کسی مہربان نے میری اٹیچی پر ہاتھ صاف کردیا، اس میں جہاں اہلیہ کے زیورات، دس ہزار روپے نقد، میرے اور بال بچوں کے کپڑے وغیرہ گئے وہیں تین کتابوں کے مسودے بھی جاتے رہے، جن میں مقدمۂ شیخ کے ترجمہ وشرح کا مسودہ بھی تھا۔ اس مالی اور علمی نقصان کے ساتھ سب سے عظیم نقصان یہ پیش آیا کہ تعطیل کلاں میں بیمار رہنے کے بعد میرے والد گرامی ماہ ذی قعدہ میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے، اس حادثے نے قلب وذہن کو بہت متاثر کیا، ایک

زمانہ تک تحریر و تصنیف کا کام بالکل بند رہا، مگر اس درمیان جب بھی حضرت علامہ نعمانی صاحب مدظلہ سے شرف ملاقات نصیب ہوتا تو وہ دیگر تحریری کاموں کے ساتھ ساتھ اس کام کو دوبارہ کرنے کے لئے زور دیتے اور حوصلہ افزائی فرماتے، بالآخر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر میں نے پھر اس کے ترجمہ اور مختصر تشریح کا کام شروع کردیا، اسی اثنا میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں عربی ادب کے استاذ کی حیثیت سے میرا تقرر ہوگیا، پھر یہیں حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ کے جوار پاک میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

شکر کہ جنازہ بہ منزل رسید
زورق امید بہ ساحل رسید

جامعہ اشرفیہ، مبارک پور برصغیر ہندوپاک کا وہ نمایاں اور ممتاز ترین دینی و تعلیمی ادارہ ہے جو اپنی مثال آپ ہے، اس کے اساتذۂ کرام میں علم و فضل کے وہ آفتاب و ماہتاب ہیں جن کی ضیا پاشیوں سے ایک عالم سیراب ہورہا ہے، ان میں ایک نمایاں ترین شخصیت محقق عصر خیر الاذکیاء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ کی ہے جو علوم مروّجہ و فنونِ متداولہ پر مکمل دسترس کے ساتھ عربی و اردو دونوں زبانوں پر کامل عبور رکھتے ہیں، اور اخلاص للہیت، زہد و تقویٰ کا پیکر ہیں، میری سعادت مندی اور خوش نصیبی ہے کہ حضرت مجھ پر بہت کرم فرماتے ہیں، اور سچی بات تو یہ ہے کہ انھیں کی تربیت و رہنمائی نے اس بے مایہ کو قلم پکڑنے کا شعور بخشا، میں حضرتِ والا کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے اپنا قیمتی وقت صرف فرما کر اس کتاب کو از اول تا آخر ملاحظہ فرمایا اور بیش قیمت اصلاحات اور مشوروں سے نوازا، اور ایک وقیع تقریظ بھی رقم فرمائی۔ میں نے اس کتاب کی ترتیب کچھ

اس طور پر رکھی تھی کہ شرح کی عبارتوں کو قوسین کے درمیان کر کے متن سے ممتاز کر دیا تھا اور آگے حوالہ دیدیا تھا جس سے کہیں کہیں عبارت کی سلاست وروانی متاثر ہوتی نظر آتی تھی، اس لئے حضرت کا مشورہ یہ ہوا کہ درمیان سے قوسین ہٹا دیے جائیں اور جہاں ضروری ہو حوالے نیچے حاشیہ میں درج کر دیے جائیں، اور کچھ ضروری مباحث کا اضافہ کر دیا جائے چنانچہ حضرت کے مشورہ اور رہنمائی کے مطابق تدریب الراوی، مقدمہ ابن صلاح، نزہۃ النظر اور فتاوی رضویہ وغیرہ مستند کتب فن سے کئی مباحث اور فصول کا اضافہ کیا، اس طرح اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے جامع اور مفید سے مفید تر بنانے کی کوشش کی ہے۔

دوسری عظیم المرتبت شخصیت محقق مسائل جدیدہ فقیہ امت حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مدظلہ کی ہے جو جزئیات فقہ پر گہری نظر رکھنے کے ساتھ فقہی بصیرت، ژرف نگاہی اور شرعی مسائل خصوصاً جدید مسائل کی تحقیق میں اپنی نظیر آپ ہیں، حضرت نے بھی کرم فرمایا اور اپنے بیش قیمت اوقات سے کچھ حصہ نکال کر پوری کتاب ملاحظہ فرمائی اور نہ صرف یہ کہ قیمتی اصلاحات اور مشوروں سے نوازا بلکہ ایک شاندار مقدمہ بھی تحریر فرمایا **فالحمدللہ علی ذلک**۔

فقیر راقم الحروف ان دونوں بزرگوں کی ذرہ نوازی اور کرم فرمائی پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہے، خدائے پاک اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقہ وطفیل ان کا سایۂ عاطفت تا دیر قائم رکھے، انھیں ان کی دینی خدمات کا وہ صلہ عطا فرمائے جو اس کی شانِ کریمی کے مطابق ہو اور اس ناکارہ کو بھی دینِ متین کی خدمات جلیلہ کی توفیق بخشے۔ آمین۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے مخلص وکرم فرما حضرت مولانا فروغ احمد اعظمی

صدرالمدرسین دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی، ضلع بستی اور رفیق گرامی حضرت مولانا صدرالوریٰ قادری مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کا شکریہ ادا نہ کروں کیوں کہ ان حضرت نے بھی اسے ملاحظہ فرما کر بعض اہم مشورے دیے۔

اب کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے مذکورہ بالا اساطینِ ملت اور علمائے امت کی نظرِ ثانی اور اصلاحات کی بنا پر امید ہے کہ اسے علمی حلقوں میں پذیرائی حاصل ہوگی اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا، دورانِ مطالعہ اگر کوئی خامی نظر آئے تو مطلع فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں اور اس بے مایہ کے قصورِ نظر پر محمول فرمائیں اور خوبیوں کو ان بزرگوں اور کرم فرماؤں کی دقتِ نظر اور ژرف نگاہی کا نتیجہ سمجھیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین.

۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
۲۵ر جولائی ۲۰۰۲ء
بروز پنج شنبہ

نفیس احمد مصباحی بارہ بنکوی
خادمِ تدریس جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
اعظم گڑھ، یو. پی، انڈیا

تقریظ جلیل

محقق عصر خیر الاذکیاء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ

صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یو. پی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی حبیبہ الکریم.

حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی استاذ ادب جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی کتاب "اصولِ حدیث" نظر سے گزری۔ اس کتاب میں انھوں نے اصولِ حدیث بہت عمدہ پیرایے میں بیان کئے ہیں۔ اس کی اصل زمین انھوں نے مقدمۂ شیخ محقق مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی (م۱۰۵۲ھ) کو بنایا، بلکہ ابتداءً اسی کے ترجمہ پر اکتفا کا ارادہ کیا، مگر بعد میں دیگر کتبِ اصول سے استفادہ کرتے ہوئے کافی معلومات کا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔

یہ کتاب درجۂ مولوی و عالم کے علاوہ فاضل کے طلبہ کے لئے بھی کارآمد ہے اور حدیث کا مطالعہ کرنے والے عام طلبہ و قارئین کے لئے بھی بہت نفع بخش ہے۔

اسے زیادہ جامع، نہایت مفید اور عام فہم بنانے کے لئے مولانا نے کافی تلاش و جستجو اور محنت و مشقت سے کام لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس دینی و علمی خدمت کو قبول فرمائے اور اسے نافعِ خاص و عام اور مقبولِ انام بنائے۔

۱۰ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ — محمد احمد مصباحی

۲۱ر جولائی ۲۰۰۲ء شب دوشنبہ — صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

تقدیم

بقلم: محقق مسائل جدیدہ فقیہ امت حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ العزیز الکریم والصلوٰۃ السلام علی حبیبہ الرؤف الرحیم وعلیٰ الہٖ وصحبہ اجمعین.

اما بعد: مذہب اسلام کا سرچشمہ کتاب اللہ وحدیث رسول اللہ ہیں (جل جلالہ. صلی اللہ علیہ وسلم) یہی وجہ ہے کہ ساری امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ قرآن عزیز کے بعد حدیث نبوی بھی اسلام کے بنیادی دلائل سے ہے۔ قرآن حکیم نے اس کی تشریعی حیثیت کو ایک مقام پر یوں اجاگر کیا۔

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَھُوْا. رسول تمہیں جو کچھ دیں اسے لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو۔

ایک جگہ ارشاد نبوت کا منبع وحی الٰہی کو بتایا گیا۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی. یہ رسول خواہش نفس سے کچھ نہیں فرماتے آپ کی گفتار تو وحی الٰہی ہوا کرتی ہے وبس۔

اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کا درجہ دیا چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللہ. جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔

یہ اور اس طرح کی کثیر آیات کریمہ سے روز روشن کی طرح یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ احادیث نبویہ حجت ہیں اور ان پر عمل واجب ولازم ہے۔

یوں تو احادیث کریمہ اپنی اصل کے لحاظ سے یکساں طور پر امت کے لئے واجب العمل ہیں کہ سب مصدرِ نبوت سے شرفِ صدور کی یکساں نسبت رکھتی ہیں مگر عہد بعہد رجالِ امت کے جن واسطوں سے وہ ہم تک پہنچی ہیں وہ واسطے یکساں نہیں بلکہ ان کی نوع بنوع کثیر مدارج وطبقات ہیں جن کی وجہ سے احادیث کی حجیت بھی نوع بنوع کثیر مدارج وطبقات میں تقسیم ہوگئی، مثلاً کوئی حدیث قطعی الثبوت ہے کوئی ظنی الثبوت۔ اور کتنی احادیث ہیں جو پایۂ ثبوت کے لحاظ سے بہت فروتر ہیں۔ اس کا اثر احکام وشرائع پر بھی بہت گہرا پڑا، یہ اجمال شرح وبسط کا متقاضی ہے لیکن ہم یہاں اس کی صرف ایک جھلک آپ کے سامنے پیش کریں گے۔

مذہب اسلام کے قوانین دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں، اعتقادیات وعملیات۔

اعتقادیات مختلف انواع کے ہیں، کچھ تو قطعی ہیں جن کا منکر دائرہ اسلام سے باہر ہوجاتا ہے، کچھ ظنی ہیں جن سے انحراف بدعت وضلالت کے حدود میں داخل کردیتا ہے اور کچھ اس معیار کے ہیں کہ ان سے روگردانی خطا قرار پاتی ہے۔

اور عملیات کے باب کا جائزہ لیجئے تو اس کے احکام تیرہ اقسام میں پھیلے ہوئے نظر آئیں گے۔

(۱) فرض اعتقادی (۲) فرض عملی (۳) واجب اعتقادی (۴) واجب عملی

(۵)سنت مؤکدہ (۶)سنتِ غیر مؤکدہ (۷)مستحب (۸)مباح (۹)حرام قطعی (۱۰)مکروہ تحریمی (۱۱)اساءت (۱۲)مکروہ تنزیہی (۱۳)خلاف اولیٰ۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ عقائد و شرائع جن احادیث سے ثابت ہوتے ہیں ان کا پایۂ سند یکساں نہیں ہوسکتا بلکہ جس پائے کی حدیث ہوگی اس سے اسی پائے کا حکم ثابت ہوگا، اگر یہ فرقِ مراتب ملحوظ نہ رکھا جائے تو ضِعاف سے قطعیات اور شَوَاذ سے فرائض کے اثبات کی بے راہ روی عام ہوجائے ، پھر خاطی کو کافر، ضال کو مہتدی، صالح کو فاسق بنانا آسان ہوجائے۔اس لئے اصول حدیث سے واقفیت کی ضرورت ہر اہلِ علم کے لئے ہے، تاکہ اس کی روشنی میں وہ استدلال کی غلطی سے بچ سکے، اور اہلِ ہوئی کے بے جا استدلال کی نشاندہی کرکے امت کو غلط روی سے بچا سکے۔

اس مختصر تعارف سے علم اصول حدیث کی اہمیت کا کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے پیش نظر کتاب اسی فن شریف و علم مُنیف کے مبادی و مسائل کا اردو زبان میں ایک شاندار مجموعہ ہے جس میں اس فن کے تمام ضروری پہلوؤں کو عام فہم زبان، دلکش انداز، شستہ تعبیر میں اجاگر کیا گیا ہے۔ کتاب بحمدہ تعالیٰ رطب و یابس سے پاک ہے اور کتب معتمدہ و مستندہ کا بہتر انتخاب ہونے کی حیثیت سے قابلِ اعتماد ہے۔

زمین اس کی محقق علی الاطلاق حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقدمۂ مشکوٰۃ ہے جس میں (۱) کتاب الکفایة فی علم الروایة (۲) مقدمة ابن الصّلاح فی علوم الحدیث (۳) تقریب النووی وتدریب الراوی (۴) نزهة النظر شرح نخبة الفکر (۵) عقد الدرر فی جید نزهة النظر (۶) شرح سِفْر السعادة (۷) عجالۂ نافعه (۸) العطایا النبویة فی الفتاویٰ الرضویة (۹) نزهة القاری

کے گل بوٹوں نے اس کی افادیت میں چار چاند لگادیے ہیں، میری مراد یہ ہے کہ مقدمۂ مشکوۃ پر بہت سے اہم اضافے شامل کتاب کیے گئے ہیں جو یہ ہیں:

۱- مبادیات فن مثلاً علم اصول حدیث کی تعریف، موضوع، غرض وغایت اور فن اصول کی مشہور اور اہم کتابیں۔

۲- حدیث ضعیف کی قسمیں۔

۳- ضعاف کی تقویت کے طریقے۔

۴- احادیث سے استدلال کی کیفیت۔

۵- محدثین کے ''یہ حدیث صحیح نہیں'' کہنے سے اس کا ضعیف یا موضوع ہونا لازم نہیں۔

۶- معرفت وضع کے طریقے۔

۷- روایت بالمعنیٰ کے سلسلے میں اختلاف مذاہب اور بعض ضروری تنبیہات۔

۸- بعض کتب صحاح کے ساتھ ان کے مصنفین کا اجمالی تعارف۔

۹- اقسام کتب حدیث۔

۱۰- کتب حدیث کے طبقات۔

۱۱- بیان حدیث کے کلمات اور ان کے استعمال کے مواقع۔

۱۲- خاتمہ   فوائد متفرقہ کے بیان میں۔

اس کتاب کے مؤلف محب ومخلص جناب مولانا نفیس احمد مصباحی صاحب دام مجدھم ہیں۔ جو اپنی ذکاوت، سلیم الطبعی، تحقیق، حسن تفہیم کی وجہ سے جامعہ اشرفیہ کے اچھے اساتذہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کا خصوصی شغف عربی ادب وانشا سے ہے لیکن فقہ

واصول پر بھی اچھی نظر ہے، ''بعمر کہتر وبعلم بہتر'' کے مصداق ہیں، درس وتدریس کے ساتھ ان کا محبوب مشغلہ مقالہ نگاری اور تصنیف وتالیف ہے جس کے شاہد ان کے مقالات وتالیفات ہیں جو وقتاً فوقتاً ان کے قلم سے معرضِ تحریر میں آئے، ان میں سے کچھ اردو اور کچھ عربی زبان میں ہیں۔

اللہ عزوجل اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وصحبہٖ وسلم کے صدقے میں ان کی عمر، علم، اقبال میں برکتیں عطا فرمائے، اور انھیں خوب سے خوب تر تصانیف کی توفیق بخشے اور اس ناکارہ راقم الحروف کو بھی کسی لائق بنائے۔ آمین۔

شب ۲۰ر ذی قعدہ ۱۴۲۲ھ
۳ر فروری ۲۰۰۲ء
(شب دوشنبہ مبارکہ)

محمد نظام الدین الرضوی
خادم دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم
مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

علم اصول حدیث: ایسے قواعد وضوابط کا علم ہے جن کے ذریعہ سند ومتن۔ بالفاظ دیگر۔ راوی اور مروی کے وہ احوال وکوائف معلوم ہوں جن کی بنا پر حدیث کے مقبول یا مردود ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

موضوع: اس کا موضوع مقبول ونامقبول ہونے کی حیثیت سے سند ومتن ہے، اس میں متنِ حدیث مقصود بالذات ہے اور سند مقصود بالغیر۔

غرض و غایت: سند ومتن کے صحیح وغیر صحیح، مقبول ونامقبول ہونے کی واقفیت حاصل کرنا۔

مشہور اور اہم کتابیں:۔ (۱) **المحدث الفاصل بین الراوی و الواعی**. یہ اس فن کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ اس کے مصنف قاضی ابومحمد حسن بن عبد الرحمٰن رامہرمزی (م ۳۶۰ھ) ہیں۔

(۲) **معرفة علوم الحدیث**، اس کے مصنف شیخ ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری (م ۴۵۵ھ) ہیں۔

(۳) **المستخرج علی معرفة علوم الحدیث**، اس کے مصنف ابونعیم احمد اصبہانی (م ۴۳۰ھ) ہیں۔

(۴) **الکفایة فی علم الروایة**، اس کے مصنف امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) ہیں۔

(۵) **الجامع لآداب الشیخ والسامع**، اسکے مصنف بھی خطیب بغدادی ہیں۔ انہوں نے فنونِ حدیث میں سے تقریباً ہر فن میں مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ بعد کے سارے محدثین ان کے خوشہ چیں ہیں۔

(۶) **الالماع الی معرفة أصول الروایة و تقیید السماع**. یہ امام قاضی عیاض (م ۵۴۴ھ) کی تصنیف ہے۔

(۷) مالا یسع المحدث جهله، اس کے مصنف شیخ ابو حفص عمر میانجی (م ۵۸۰ھ) ہیں۔ یہ ایک مختصر رسالہ ہے۔

(۸) علوم الحدیث ، یہ امام تقی الدین ابو عمرو عثمان بن الصلاح الشہرزوری (م ۶۴۳ھ) کی تصنیف ہے۔ جو مقدمہ ابن صلاح کے نام سے مشہور و متداول ہے۔ یہ اس فن کی نہایت عمدہ کتاب اور سابقہ تمام کتابوں کی جامع ہے متاخرین نے اسی کو اپنا ماخذ بنایا اور اسے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

(۹) التقریب والتیسیر لمعرفة سنن البشیر النذیر ، اس کے مصنف شیخ الاسلام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی (م ۶۷۶ھ) ہیں یہ مقدمہ ابن صلاح کی تلخیص ہے۔

(۱۰) تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، اس کے مصنف امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی (۸۴۹ھ۔۹۱۱ھ) ہیں۔ یہ امام نووی کی کتاب تقریب کی نہایت شاندار اور مستند شرح ہے۔

(۱۱) نظم الدرر فی علم الاثر ، یہ شیخ زین الدین عبدالرحیم عراقی (م ۸۰۶ھ) کی منظوم تصنیف ہے جو "ألفية العراقي" کے نام سے مشہور ہے۔

(۱۲) فتح المغيث في شرح ألفية الحديث ، اس کے مصنف علامہ محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی (م ۹۰۲ھ) ہیں یہ الفیۂ عراقی کی سب سے عمدہ اور مقبول شرح ہے۔

(۱۳) نخبة الفكر في مصطلح اهل الاثر ، اس کے مصنف حافظ شہاب الدین احمد بن علی معروف بہ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) ہیں۔ یہ نہایت مختصر مگر بہت جامع اور مرتب رسالہ ہے۔ اس کی متعدد شرحیں ہیں جن میں خود مصنف کی شرح " نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر " بہت مشہور اور متداول ہے اور مدارسِ اسلامیہ میں داخل نصاب ہے۔

اِن کتابوں کے علاوہ اس فن کی اور بہت سی کتابیں ہیں جن میں بعض مشہور اور بعض غیر مشہور ہیں۔

﴿فصل اوّل﴾

حدیث اور اُس کی قسمیں

حدیث : جمہور محدثین کی اصطلاح میں رسول اکرم ﷺ کے قول و فعل اور تقریر کو حدیث کہا جاتا ہے۔ یوں ہی صحابی اور تابعی کے قول و فعل اور تقریر کو بھی حدیث کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ لیکن عام شائع و ذائع پہلا ہی محاورہ ہے، لفظ حدیث سے اول اول ذہن اسی طرف جاتا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا قول یا فعل یا تقریر ہے۔

تقریر : کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں کسی شخص نے کوئی کام کیا یا کوئی بات کہی اور آپ نے اس پر انکار نہ فرمایا، نہ ہی اس سے منع فرمایا بلکہ اس پر خاموش رہ کر اسے ثابت و برقرار رکھا ــــــــ بالفاظ دیگر تقریر کا مطلب ہوتا ہے "خاموش تائید".

اقسامِ حدیث

منتہائے سند کے اعتبار سے حدیث کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) مرفوع (۲) موقوف (۳) مقطوع

مرفوع: وہ حدیث ہے جس کی سند نبی کریم ﷺ تک پہنچے۔

موقوف : وہ حدیث ہے جس کی سند صحابی تک پہنچے۔ جیسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا۔ یا۔ یہ کیا۔ یا۔ اسے ثابت و برقرار رکھا اور منع نہ فرمایا۔ یا یوں کہیں: "یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے" ـ یا ـ" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً مروی ہے"۔

مقطوع : وہ حدیث ہے جس کی سند تابعی تک پہنچے۔

حدیث و اثر : بعض محدثین مرفوع اور موقوف کو حدیث اور مقطوع کو اثر کہتے ہیں مگر کبھی اثر کا اطلاق حدیث مرفوع پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے نبی اکرم ﷺ سے منقول دعاؤں کو " اَدْعِیَۃ مَاثُورہ" کہا جاتا ہے، اور امام طحاوی نے اپنی کتاب کا نام "شرح معانی الآثار" رکھا جب کہ وہ آثار صحابہ کے ساتھ احادیث نبویہ پر بھی مشتمل ہے، اور امام سخاوی نے کہا:

"طبری[1] کی ایک کتاب ہے جس کا نام "تھذیب الآثار" ہے حالانکہ اس میں خاص طور سے احادیث مرفوعہ ہی مذکور ہیں اور احادیث موقوفہ کا ذکر تبعاً و ضمناً ہے۔

حدیث و خبر :. مشہور یہی ہے کہ حدیث و خبر کا مفہوم ایک ہی ہے، مگر بعض محدثین نبی کریم ﷺ اور صحابہ و تابعین کے اقوال و افعال کو حدیث اور سلاطین، اُمراء و حکام اور گزشتہ زمانہ کے احوال کو خبر کہتے ہیں۔ اسی بنا پر فن حدیث سے شغف رکھنے والے کو محدّث اور فنِ تاریخ میں مصروف ہونے والے کو اخباری کہا جاتا ہے۔

حدیث کی قسمیں

حدیث مرفوع کی دو قسمیں ہیں۔(۱) صریحی ۔(۲) حکمی۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی تین قسمیں ہیں۔(۱) قولی (۲) فعلی (۳) تقریری ۔اس طرح اس کی کل چھ قسمیں

---

(۱) اس وقت مشکوٰۃ المصابیح کے ساتھ شائع ہونے والے مقدمہ میں عموماً یہ ملتا ہے کہ طبرانی کی ایک کتاب تہذیب الآثار نام کی ہے حالانکہ کامل تلاش و جستجو اور مراجعت کتب کے بعد فقیر راقم سطور اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ یہ واقع کے خلاف اور کتابت کی غلطی ہے کیوں کہ طبرانی کی کوئی کتاب تہذیب الآثار نام کی نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ طبرانی کے بجائے طبری ہے جیسا کہ مقدمہ مشکوٰۃ کے دوسرے قدیم نسخوں میں موجود ہے، امام سخاوی نے شرح الفیۃ الحدیث میں اس کی صراحت کی ہے، اور خود شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی کتاب شرح سفر السعادہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ان کی عبارت درج ذیل ہے۔

طحاوی کتاب خود را کہ مشتمل بر معانی احادیث و آثار صحابہ "شرح معانی الآثار" نام کردہ و طبری تہذیب الآثار کتابے دارد با آنکہ مخصوص بمرفوع است ، و آنچہ دروے از موقوف آوردہ بطریق تبع و تطفل ست ، کذا قال السخاوی (شرح سفر السعادہ ، ص/۶ ، مکتبہ نوریہ ، سکھر ، پاکستان)

امام طحاوی نے اپنی کتاب کا نام شرح معانی الآثار رکھا جب کہ وہ احادیث اور آثار صحابہ دونوں پر مشتمل ہے، اور طبری کی ایک کتاب تہذیب الآثار نام کی ہے حالانکہ وہ اصل میں احادیث مرفوعہ کے ساتھ خاص ہے اور احادیث موقوفہ کا ذکر تبعاً و ضمناً ہے یہی امام سخاوی نے کہا ہے۔

(نفیس احمد مصباحی)

ہوئیں۔

۱۔ **مرفوع صریحی قولی:** صحابی کا یہ فرمانا کہ سَمِعْتُ رسولَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ کَذَا (میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا صحابی یا غیر صحابی کا یہ فرمانا کہ قَالَ رَسولُ اللّٰہ (رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا) یا یہ فرمانا کہ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ أنَّہٗ قَالَ کَذَا (رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے یہ فرمایا۔)

۲۔ **مرفوع صریحی فعلی:** مثلاً صحابی کا یہ ارشاد کہ رَأَیْتُ رسولَ اللّٰہِ فَعَلَ کَذَا (میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کرتے دیکھا) یا یہ کہنا کہ عَنْ رَّسولِ اللّٰہِ أنَّہٗ فَعَلَ کَذَا (رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے یہ کیا) • عَنْہُ مَرْفُوعاً یا رَفَعَہٗ أنَّہٗ فَعَلَ کَذَا (صحابی یا غیر صحابی سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور ﷺ نے یہ کیا۔ — یا — فلاں نے مرفوعاً بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ کیا۔)

۳۔ **مرفوع صریحی تقریری:** مثلاً صحابی یا غیر صحابی کا یہ فرمانا کہ فَعَلَ فلانٌ أو فَعَلَ أحَدٌ بِحَضْرَۃِ النَّبِیِّ ﷺ کَذَا (فلاں شخص نے حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں یہ کام کیا) یا یہ بات کہی اور پھر آپ کا انکار ذکر نہ کرے۔

۴۔ **مرفوع حکمی قولی:** کوئی صحابی جو کتب سابقہ سے خبر نہ دے رہے ہوں ایسی خبر دیں جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو جیسے گزشتہ واقعات مثلاً انبیاے کرام کے احوال بیان کرنا، یا آئندہ کے حالات مثلاً ملاحم[1] و فتن اور قیامت کی ہولناکیاں بتانا یا کسی فعل پر مخصوص ثواب یا عقاب کی خبر دینا کیونکہ نبی کریم ﷺ سے سنے بغیر صحابی اپنی طرف سے ان چیزوں کو بیان نہیں کر سکتے۔

۵۔ **مرفوع حکمی فعلی:** صحابی کا کوئی ایسا کام کرنا جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو کیونکہ اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ انھوں نے یہ کام نبی کریم ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھ کر ہی کیا ہوگا۔

---

(۱) مَلاحِم: مَلْحَمَۃ کی جمع ہے اس کا معنی ہے خونریز جنگ اور زبردست فساد۔ کتب حدیث میں اس سے مراد وہ فتن و فسادات اور جنگیں ہونی ہیں جن کی خبر نبی اکرم ﷺ نے دی ہے۔ (نفیس احمد مصباحی)

۶۔ **موقوف حکمی تقریری** : صحابی کا یہ کہنا کہ لوگ عہدِ رسالت میں ایسا کرتے تھے۔اس کا ظاہر یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اس کی خبر ہوئی ہوگی کیونکہ وحی کا سلسلہ جاری تھا اگر وہ عمل ناجائز ہوتا تو بذریعہ وحی آپ کو اطلاع ہو جاتی اور صحابہ کو منع فرمادیتے۔ یا صحابی کا یہ خبر دینا کہ لوگ کہتے تھے وَمِنَ السُّنَّةِ كَذَا (یہ سنت ہے) کیونکہ ظاہر ہے کہ سنت سے مراد سنتِ رسول اللہ ﷺ ہے۔مگر بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر چہ سنت کا اطلاق عموماً سنتِ رسول اللہ ﷺ پر ہوتا ہے تاہم اس سے سنتِ صحابہ اور سنت خلفاے راشدین بھی مراد ہو سکتی ہے کیونکہ ان کو بھی سنت کہا جاتا ہے۔

﴿ فصل ثانی ﴾

سند ، متن اور متعلقات کا بیان

سند : طریق حدیث کو کہتے ہیں۔یعنی وہ راوی یا رُواۃ جنھوں نے حدیث روایت کی۔

اِسْنَاد : سند ہی کے ہم معنیٰ ہے،اور کبھی سند کو ذکر کرنے اور طریق حدیث کو بیان کرنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔

اقسامِ حدیث

سند کے اتصال وانقطاع کے اعتبار سے حدیث کی دو قسمیں ہیں:

(۱) متصل (۲) منقطع

متصل : وہ حدیث جس کی سند میں کوئی راوی چھوٹا نہ ہو اور کسی راوی کا نہ چھوٹنا اتصال کہلاتا ہے۔

مُنْقَطِع [1]: وہ حدیث ہے جس کی سند میں کہیں سے ایک یا چند راوی چھوٹ گئے ہوں اور

---

(۱) یہاں پر منقطع سے مراد وہ حدیث ہے جو متصل نہ ہو اور جس کی سند میں ایک یا چند راویوں کا ذکر چھوٹ گیا ہو ،خواہ ابتداے سند سے یا درمیان سے یا آخر سے۔ پھر کئی راوی چھوٹے ہوں تو ایک ہی مقام سے یا مختلف مقامات سے۔اس معنیٰ کر یہ معلق ،مرسل، معضل، منقطع سب کو شامل اور ان کا مُقسم ہے اور یہ سب اس کی قسمیں ہیں اور اس کی قسموں کے ضمن میں جس منقطع کا ذکر ہوگا وہ اس سے خاص ہے جیسا کہ اس کی آئندہ تعریف سے ظاہر ہے۔۱۲ (نفیس احمد مصباحی)

سند میں راوی کے چھوٹ جانے کو انقطاع کہا جاتا ہے۔

منقطع کی قسمیں

منقطع کی درج ذیل قسمیں ہیں۔

(۱) مُعلّق (۲) مُرسَل (۳) مُعضَل (۴) مُنقَطِع (۵) مُدلَّس

معلق : ابتدائے سند سے راوی ساقط ہو تو اس حدیث کو معلق اور اسقاط راوی کو تعلیق کہا جاتا ہے۔

فائدہ : کبھی ایک راوی ساقط ہوتا ہے اور کبھی ایک سے زائد، اور کبھی پوری سند ہی حذف ہوتی ہے جیسے کہ عام مصنفین کی عادت ہے کہ وہ کہتے ہیں: قال رسول الله ﷺ کذا.

تعلیقات بخاری : صحیح بخاری کے تراجم ابواب میں تعلیقات بکثرت ہیں، یہ سب حدیث متصل کے حکم میں ہیں ۔ کیونکہ انھوں نے اس کا التزام کیا ہے کہ اس میں صرف احادیث صحیحہ ہی ذکر کریں گے، لیکن یہ تعلیقات ان کی احادیثِ مُسْنَدَہ کے رتبے کی نہیں ہیں، ہاں جن تعلیقات کو انھوں نے اپنی کتاب میں دوسری جگہ مُسْنَداً ذکر کیا ہے وہ احادیثِ مُسندہ کے مرتبے میں ہیں۔

اور اس طرح بھی فرق کیا جاتا ہے کہ جن تعلیقات کو صیغۂ معروف اور کلمۂ جزم سے ذکر کیا ہے وہ یقیناً صحیح ہیں مثلاً یوں ذکر کیا قَالَ فُلَانٌ. ذَکَرَ فُلَانٌ ۔ کیوں کہ اگر ان کے نزدیک وہ صحیح نہ ہوتیں تو حتمی طور پر حضور اکرم ﷺ کی طرف ان کی نسبت نہ کرتے ۔ اور جنھیں صیغۂ مجہول اور کلمۂ ضعف وتمریض سے ذکر کیا ہے ان کے نزدیک ان کی صحت میں کلام ہے مثلاً یوں کہا قِیلَ ۔ یُقَالُ ۔ ذُکِرَ مگر چونکہ اپنی کتاب میں ان کو ذکر فرمایا ہے اس لئے ان کی کوئی نہ کوئی اصل ثابت ہوگی ۔ اسی لئے محدثین نے فرمایا کہ بخاری کی تعلیقات اتصال کے حکم میں ہیں۔

مُرسَل: آخر سند سے تابعی کے بعد کوئی راوی چھوڑ دیا گیا ہو تو اس حدیث کو مرسل اور اس عمل کو ارسال کہتے ہیں۔ جیسے تابعی کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا۔

فائدہ : کبھی مرسل اور منقطع ایک ہی معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں مگر زیادہ مشہور پہلی ہی

اصطلاح ہے۔

حکم: حدیث مرسل مقبول اور حجت ہے یا نہیں؟ اس باب میں ائمۂ کرام کے مابین اختلاف ہے۔

(۱) جمہور محدثین کے نزدیک اس میں توقف کیا جائے گا کیوں کہ ساقط راوی کا ثقہ یا غیر ثقہ ہونا معلوم نہیں اس لئے کہ کبھی ایک تابعی دوسرے تابعی سے روایت کرتا ہے، اور تابعین میں ثقہ اور غیر ثقہ دونوں طرح کے لوگ ہیں۔

(۲) امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک حدیث مرسل مطلقاً حجت ہے، ان حضرات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ تابعی نے اپنے شیخ پر کامل وثوق و اعتماد رکھنے کی وجہ سے ہی ارسال کیا، کیونکہ یہ گفتگو ثقہ ہی کی حدیث مرسل کے بارے میں ہے، لہٰذا اگر وہ اس کے نزدیک صحیح نہ ہوتی تو ارسال نہ کرتا اور یہ نہ کہتا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ کَذَا (اللہ کے رسول ﷺ نے یہ فرمایا۔)

(۳) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی دوسری حدیثِ مرسل یا مسند سے اس کی تائید ہو جائے تو وہ مقبول ہے اگرچہ وہ دوسری حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔

(۴) اس باب میں امام احمد سے دو قول منقول ہیں۔ اوّل یہ کہ حدیث مرسل مقبول اور حجت ہے۔ اور دوم یہ کہ اس میں توقف کیا جائے۔ پہلا قول ہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول مشہور ہے[1]۔

یہ سارا اختلاف اس وقت ہے جب کہ یقینی طور پر معلوم ہو کہ وہ تابعی صرف ثقات ہی سے ارسال کرتا ہے۔ اور اگر اس کی عادت ثقہ و غیرہ ثقہ دونوں سے ارسال کرنے کی ہو تو بالاتفاق سب کے نزدیک اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں توقف کیا جائے۔ کذا قیل ______ اس مسئلہ میں مزید تفصیل ہے جس کو امام سخاوی نے "شرح الفیۃ الحدیث" میں بیان کیا ہے۔

مُعضَل: اگر درمیان سند سے دو راوی مسلسل ساقط ہوں تو اس حدیث کو مُعضل کہتے ہیں۔

---

(۱) امام جلال الدین سیوطی، تدریب الراوی، ص/۱۲۰

مُنقطِع: اگر درمیان سند سے ایک راوی یا متعدد مقامات سے کئی راوی ساقط ہوں تو اس حدیث کو منقطع کہا جاتا ہے۔

اس تعریف کی بنیاد پر منقطع، حدیث غیر متصل کی ایک قسم ہوگی۔ اور کبھی منقطع بول کر مطلقاً حدیثِ غیر متصل مراد ہوتی ہے جو اپنے تمام اقسام کو شامل ہوتی ہے اور اسی معنیٰ کر اسے مقسم قرار دیا جاتا ہے۔

انقطاعِ حدیث کی معرفت کا طریقہ: حدیث کے منقطع ہونے کی معرفت اس سے ہوتی ہے کہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان عدمِ ملاقات معلوم ہو۔ اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں۔ اوّل یہ کہ دونوں ہم عصر نہیں ہیں۔ دوم یہ کہ ہم عصر تو ہوں مگر دونوں کبھی ایک مقام پر جمع نہ ہوئے اور نہ ہی مروی عنہ نے راوی کو اجازتِ حدیث دی۔

ان تمام امور کا تعلق علم تاریخ سے ہے جو راویوں کی تاریخ پیدائش و وفات، زمانہ طالب علمی اور طلب علم کے لئے سفر کے اوقات کو واضح اور متعین کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ محدثین کے نزدیک علم تاریخ بنیادی اور معتبر علوم میں سے ہے۔

مُدَلَّس: منقطع ہی کی ایک قسم مدلس ہے۔ اس فعل کو تدلیس اور اس کے اختیار کرنے والے راوی کو مُدَلِّس کہا جاتا ہے۔

تدلیس لغوی: لغت میں تدلیس کا معنیٰ ہے خرید و فروخت کے وقت سامان کے عیب کو چھپانا، ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ دلس سے مشتق ہے جس کا معنیٰ ہے تاریکی کا سخت گاڑھا ہو جانا۔

تدلیس اصلاحی: اس کی صورت یہ ہے کہ راوی نے جس شیخ سے حدیث سنی ہے اس کا نام نہ لے بلکہ اس سے اوپر کے شیخ کا نام لے اور لفظ ایسا استعمال کرے جس سے سماع کا وہم ہو اور یہ یقین نہ ہو کہ یہ راوی جھوٹ بول رہا ہے مثلاً یوں کہے " عَنْ فُلانٍ ــــ قَالَ فَلانٌ "

وجہ تسمیہ: راوی کے اس فعل کو تدلیس اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں اور تدلیس لغوی دونوں میں خفاء پوشیدگی قدر مشترک کے طور پر پائی جاتی ہے۔

تدلیس کا حکم: امام قسطنی نے کہا: "ائمہ کے نزدیک تدلیس حرام ہے"۔ یہی علامہ موصوف امام وکیع سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: جب کپڑوں میں تدلیس جائز نہیں تو حدیث میں کیوں کر جائز ہوگی؟ ——— اور امام شعبہ نے اسے جھوٹ کا بھائی اور زنا سے بھی بدتر شمار کیا ہے اور اس کی مذمت میں بڑا مبالغہ کیا ہے۔[1]

مُدَلِّس کی روایت کا حکم: مُدَلِّس کی روایت کے قبول کرنے میں علما کا اختلاف ہے۔ ☆ محدثین اور فقہا کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ تدلیس جرح ہے۔ جو راوی اس میں مشہور ہو جائے اس کی حدیث مطلقاً غیر مقبول ہوگی۔ ☆ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی روایت مقبول ہے۔ ——— ☆ جمہور محدثین کا مذہب یہ ہے کہ اس راوی کی تدلیس مقبول ہے جو صرف ثقات سے تدلیس کرنے کا عادی ہے جیسے امام سفیان بن عُیَیْنَہ، اور جو ثقہ اور غیر ثقہ دونوں طرح کے راویوں سے تدلیس کرے اس کی روایت مردود و نا مقبول ہے، اِلَّا یہ کہ وہ اپنے شیخ سے سماعتِ حدیث کی صراحت کر دے۔ مثلاً یوں کہے: سَمِعْتُ۔ حَدَّثَنَا۔ اَخْبَرَنَا۔

اسباب تدلیس: تدلیس مختلف اغراض فاسدہ کی بنا پر ہوتی ہے: مثلاً (۱) شیخ کم سن ہے (۲) یا لوگوں کے نزدیک صاحب جاہ اور نامور نہیں اس لئے راوی اپنے کو اس کا شاگرد ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ (۳) یا شیخ ضعیف ہے اس لئے غیر مشہور وصف سے اس کا ذکر کر کے اس کے ضعف کو پردۂ خفا میں رکھنا چاہتا ہے۔ (۴) راوی یہ بتانا چاہتا ہے کہ اسے کثیر مشائخ سے سماعت حاصل ہے۔ مثلاً ایک دفعہ کہتا ہے۔ " حَدَّثَنِي مُسْلِمٌ " پھر یوں " حَدَّثَنِيْ اَبُو الْحَسَنِ الْقُشَيْرِيُّ " پھر یوں " حَدَّثَنِيْ ابْنُ الْحَجَّاجِ النِّيسَابُوْرِيُّ" تو عام سننے والا سمجھے گا کہ مسلم، ابو الحسن قشیری، اور ابن الحجاج نیشاپوری الگ الگ تین محدث ہیں، حالانکہ حقیقتاً یہ ایک ہی شخص ہیں۔[2]

مگر بعض اکابر مثلاً امام سفیان بن عیینہ، امام اعمش اور بہت سے تابعین و تبع تابعین سے

---

(۱) تفصیل کے لیے مقدمۂ ابن الصلاح، ص/۳۴، ۳۵ کا مطالعہ کریں۔ ۱۲، ن، ا، مصباحی۔

(۲) المنھل اللطیف، للشیخ محمد بن علوی المالکی، ص/۱۱۰

جو تدلیس واقع ہوئی وہ کسی غرض فاسد کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اس وجہ سے تھی کہ اس حدیث کی صحت پر انہیں مکمل اعتماد اور بھروسہ تھا، اور وہ سند کی موجودہ شہرت کو کافی سمجھتے تھے۔

امام شمنی نے کہا: ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کئی ثقہ راویوں سے اس نے حدیث کی سماعت کی ہو مگر چونکہ اس حدیث کی صحت اس کے نزدیک ثابت و محقق تھی اس لیے ان ثقات میں سے کسی ایک یا سبھی کے ذکر کرنے کے بجائے صرف ان کے شیخ کے ذکر کو کافی سمجھا جیسا کہ ارسال کرنے والا راوی کرتا ہے۔

مُضطَرِب: وہ حدیث ہے جس کی سند یا متن میں راویوں کے درمیان باہم اختلاف واقع ہو جائے، خواہ تقدیم و تاخیر کے سبب، یا کمی، زیادتی کے سبب، یا ایک راوی کے بجائے دوسرے راوی یا ایک متن کے بجائے دوسرے متن کے رکھنے، یا اجزاے سند یا اجزاے متن میں تصحیف، یا اختصار و حذف وغیرہ کے سبب۔

حکم: اگر ان روایات میں تطبیق ہو سکے تو ٹھیک ہے، ورنہ توقف کیا جائے، نہ تو قبول کیا جائے نہ ہی رد کیا جائے۔

مُدرَج: وہ حدیث ہے جس میں راوی اپنا یا کسی صحابی و تابعی کا کلام متنِ حدیث کے درمیان کسی فائدہ مثلاً بیانِ لغت، معنیٰ کی تشریح، مطلق کی تقیید یا کسی اور مقصد کے پیشِ نظر لے آئے۔

حکم:۔ امام نووی نے اس سے سختی کے ساتھ فرمایا مگر امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: وہ ادراج ممنوع نہیں جو نامانوس الفاظ کی تشریح کی غرض سے کیا گیا ہو۔ اسی لیے امام زہری جیسے جلیل الشان امام سے بھی اس کا صدور ہوا۔[1]

---

(۱) تفصیل کے لئے تدریب الراوی، ص/۷۸ ا کا مطالعہ کریں

﴿فصل ثالث﴾

روایت بالمعنی : روایت بالمعنیٰ کا مطلب یہ ہے کہ منقول الفاظ کی پابندی نہ کی جائے، صرف مفہوم بیان کر دیا جائے۔

حدیث کی روایت بالمعنی کے بارے میں اہلِ علم کا اختلاف ہے۔

مذہب اوّل : اکثر محدثین، فقہا اور علمائے اصول کا مذہب یہ ہے کہ روایت بالمعنیٰ اس شخص کے لیے جائز ہے جو عربی زبان کا جانکار، کلام کے مختلف اسالیب کا ماہر، تراکیب کلام کی امتیازی خصوصیات اور الفاظ کے معانی سے واقف ہو، تاکہ اس سے کمی بیشی اور غلطی سرزد نہ ہو، ائمۂ اربعہ رحمھم اللہ تعالیٰ کا بھی اسی پر اجماع واتفاق ہے۔ مگر یہ حکمِ جواز اس وقت ہے جب کہ حدیث جوامع الکلم میں سے نہ ہو، نہ ہی اس کا مضمون ایسے ذکر ودعا کا مضمون ہو جسے بلفظہٖ عبادت میں استعمال کیا جاتا ہو۔[1]

مذہب ثانی : الفاظ مفردہ میں جائز ہے، مرکبات میں ناجائز، مثلاً کسی حدیث میں لفظ "اسد" واقع ہو تو اس کی جگہ لفظ "لیث" روایت کرنا جائز ہے لیکن حدیث میں واقع کسی لفظ مرکب کی روایت بالمعنی جائز نہیں۔

مذہب ثالث:۔ یہ اس شخص کے لیے جائز ہے جس کے ذہن میں حدیث کے الفاظ مستحضر ہوں تاکہ وہ اس میں صحیح تصرف کر سکے۔

مذہب رابع:۔ جس کے ذہن میں حدیث کے معانی ومطالب محفوظ ہوں مگر الفاظ بھول گیا ہو اس کے لئے تحصیل احکام کی ضرورت کے پیشِ نظر جائز ہے، البتہ وہ شخص جس کے ذہن میں حدیث کے الفاظ مستحضر ہوں اس کے لیے روایت بالمعنی جائز نہیں۔ کیونکہ اُسے اس کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔

واضح رہے کہ یہ اختلاف جواز وعدم جواز میں ہے۔

---

(۱) تدریب الراوی، ص/۳۱۴، ۳۱۵، مطبوعہ المکتبۃ العلمیۃ، مدینہ منورۃ

پھر یہ بات بھی حاشیہ ذہن میں نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ مذکورہ بالا اختلاف کتابوں کی روایت کے علاوہ میں ہے اور جہاں تک کتابوں کا تعلق ہے تو ان میں روایت بالمعنی قطعاً جائز نہیں، کیونکہ اس کا جواز تو اس لیے ہے کہ بعینہٖ ان الفاظ کو یاد رکھنا دشوار اور باعثِ حرج ہے، اور وہ یہاں موجود نہیں۔ علاوہ ازیں روایت بالمعنی میں راوی کو ایک لفظ کا دوسرے ہم معنی لفظ سے بدلنے کا اختیار ہوتا ہے، مگر کسی کی تصنیف میں تغیر وتبدل کا دوسرے کو حق نہیں ہوتا۔ اور یہاں روایت بالمعنی کا دروازہ کھول دینے سے دوسرے کی تصنیف میں تغیر وتبدل کرنا لازم آئے گا۔ (۱)

روایت باللفظ کا حکم: علماء محدثین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ روایت باللفظ روایت بالمعنی سے افضل ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

نَضَّرَ اللّٰہ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاھَا فَأَدَّاھَا کَمَا سَمِعَ ۔ (اللہ تعالیٰ اس بندہ کو شاد وآباد رکھے جس نے میری حدیث سن کر یاد کرلی پھر اسے جس طرح سنا تھا ویسے ہی دوسروں تک پہونچا دیا۔)

فائدہ: روایت بالمعنی خود صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں بھی موجود ہے ان کتابوں کی موجودہ روایتیں اس پر شاہد ہیں، کیونکہ ایک واقعہ سے متعلق متعدد مقامات پر مختلف الفاظ میں روایات آئی ہیں۔ صحیح مسلم وغیرہ کی مراجعت کرنے اور معمولی غور وفکر کرنے سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے۔

تنبیہ: احتیاط یہ ہے کہ روایت بالمعنیٰ کا راوی روایت سے فراغت کے بعد درج ذیل الفاظ میں سے کوئی ایک کہہ دیا کرے: "أو کما قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم" ۔ "نَحْوَہٗ" — "شِبْھَہٗ" یا اسی کے ہم معنیٰ الفاظ زبان سے ادا کرے، صحابۂ کرام جو کہ کلام رسول ﷺ کے معانی اور عربی زبان سے خوب آشنا تھے ان میں سے بہت سے حضرات یہ الفاظ روایت کے اختتام پر ادا کیا کرتے تھے کیوں کہ انہیں بخوبی معلوم تھا کہ روایت بالمعنی میں لغزش کے اندیشے اور خطرات ہیں۔

---

(۱) تدریب الراوی للحافظ جلال الدین السیوطی، ص ۳۱۴

امام ابن ماجہ، امام احمد اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک دن انھوں نے کہا " قال رسول اللہ ﷺ " تو ان کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور گردن کی رگیں پھول گئیں، پھر کہا" أو مثله أو نحوه أو شبيه به " یعنی سرکار نے اسی جیسی بات فرمائی۔

مسند دارمی اور الکفایہ للخطیب میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتے تو کہتے " أو نحوَه أو شِبْهَه "

امام ابن ماجہ اور امام احمد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ وہ جب حدیثِ رسول ﷺ کے بیان سے فارغ ہوتے تو کہتے: أو كما قال رسولُ الله ﷺ۔

یوں ہی جب قراءتِ حدیث کے دوران کسی لفظ میں شک وشبہہ ہو جائے تو بہتر ہے کہ " أو كما قال صلى الله عليه وسلم " کہہ لے۔(۱)

عَنْعَنَه :۔ حدیث کو عَن فُلانٍ، عَن فُلانٍ کے طریقہ پر روایت کرنا۔

مُعَنْعَن:۔ وہ حدیث ہے جو عَن فُلان عَنْ فُلان کے طریقہ پر مروی ہو۔

شرائط قبول :۔ امام مسلم کے نزدیک صرف اتنا کافی ہے کہ راوی اور مروی عنہ دونوں ہم زمانہ ہوں اور باہم ملاقات ممکن ہو۔☆ مگر امام بخاری، ابن مدینی اور محققین کے نزدیک صرف امکانِ ملاقات کافی نہیں بلکہ ثبوتِ ملاقات بھی ضروری ہے اور بعض محدثین کے نزدیک دونوں کی معاصرت اور ملاقات کے ساتھ سماعت اور اخذِ حدیث کا ثبوت بھی ضروری ہے۔

امام مسلم نے مقدمۂ صحیح مسلم میں اپنے دونوں فریق مخالف کی سخت تردید کی اور اس میں بہت مبالغہ سے کام لیا۔

☆ مدلّس کا عنعنہ مقبول نہیں یہی جمہور محدثین کا مذہب مختار اور معتمد ہے۔(۲)

مُسنَد:۔ اس کی تعریف میں تین قول ہیں۔

---

(۱) تدریب الراوی، ص/۳۱۴، ۳۱۵، مطبوعہ المکتبۃ العلمیۃ، مدینہ منورۃ

(۲) فتاویٰ رضویہ ج ۲، ص ۲۵۷

(۱) وہ حدیثِ مرفوع جس کی سند متصل ہو اس کو مُسند کہا جاتا ہے۔ یہ مذھب حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری کا ہے۔

(۲) بعض محدثین مطلقاً حدیثِ متصل کو مسند کہتے ہیں اگرچہ وہ موقوف یا مقطوع ہو۔ یہ مذھب ابوبکر خطیب بغدادی کا ہے ۔(۱)

(۳) اور کچھ محدثین حدیثِ مرفوع کو مسند کے نام سے موسوم کرتے ہیں گو کہ وہ مرسل یا معضل یا منقطع ہو۔ یہ مذھب حافظ ابوعمرو بن عبدالبر کا ہے۔ اوران کے علاوہ کوئی اس کا قائل نہیں ۔ (۲)

نوٹ: راجح قول اول ہے حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی نے نخبۃ الفکر ص/۸۶ میں اسی پر اعتماد فرمایا اور علامہ جلال الدین سیوطی نے تدریب الراوی ص/۱۰۸ پر اسی کو مذھب اصح کہا۔

﴿فصل رابع﴾

شاذ ـــــ منکر ـــــ معلل

شاذ: لغت میں اس کو کہا جاتا ہے جو جماعت سے الگ تھلگ ہو۔ اور اصطلاح میں شاذ وہ حدیث ہے جو ثقات کی روایت کردہ حدیث کے خلاف مروی ہو۔

حکم: اگر اس کا راوی ثقہ نہ ہو تو یہ مردود نا مقبول ہے، اور اگر ثقہ ہو تو حفظ وضبط کی زیادتی، کثرتِ تعداد اور دوسرے اسباب کے ذریعہ اس کو ترجیح ہوگی۔

محفوظ: راجح کو محفوظ اور مرجوح کو شاذ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یعنی محفوظ وہ حدیث ہے جسے اعلیٰ درجہ کا ثقہ راوی اپنے سے کم ثقہ کے خلاف روایت کرے۔

مُنکر: وہ حدیث ہے جس کو اضعف راوی کسی ضعیف راوی کے خلاف روایت کرے۔

معروف: منکر کا مقابل معروف ہے۔ یعنی معروف وہ حدیث ہے جس کو کسی ضعیف

---

(۱) تدریب الراوی ، ص / ۱۰۷

(۲) نزھۃ النظر ، ص /۸۶

راوی نے اپنے سے زیادہ ضعیف کے خلاف روایت کیا ہو۔

معروف و منکر اور شاذ محفوظ کے درمیان فرق : معروف ومنکر میں ہر ایک کے راوی ضعیف ہوتے ہیں مگر ان میں سے ایک دوسرے سے زیادہ ضعیف ہوتا ہے۔ تو ضعیف کی روایت کو معروف اور اضعف کی روایت کو منکر کہا جاتا ہے۔ اس کے بر خلاف شاذ و محفوظ میں ہر ایک کے راوی قوی ہوتے ہیں مگر ان میں ایک دوسرے سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ ان میں قوی کی روایت کو شاذ، اور اقویٰ کی روایت کو محفوظ کہا جاتا ہے۔

فائدہ: بعض محدثین نے شاذ اور منکر میں دوسرے کی مخالفت کی قید نہیں لگائی خواہ وہ راوی قوی ہو یا ضعیف۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ شاذ:۔ وہ حدیث ہے جس کو کسی ثقہ راوی نے تنہا روایت کیا ہو اور اس کی موافق و مؤید کوئی اصل نہ پائی جاتی ہو۔ یہ تعریف ثقہ کی اس خبر واحد پر صادق آتی ہے جو صحیح ہو۔ اور بعض محدثین نے نہ تو ثقہ کا اعتبار کیا ہے اور نہ ہی مخالفت کا۔

مُعَلَّل: وہ حدیث ہے جس کی اسناد میں کچھ خفی و دقیق ایسے عیوب ہوں جو اس کی صحت میں خلل انداز ہوں جن پر کوئی بہت ہی متبحر، ماہر، حاذق، ناقد محدث ہی مطلع ہوتا ہے۔ جیسے سند متصل بیان ہوئی مگر در حقیقت وہ مرسل ہے، حدیث کو مرفوع بتایا گیا مگر وہ حقیقت میں موقوف ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مُعَلِّل اپنے دعویٰ پر دلیل قائم کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ جیسے صَرّاف اپنے تجربہ اور مہارت کے باعث یہ تو بتا دے کہ فلاں درہم یا دینار کھوٹا ہے مگر ناواقف کے سامنے اس پر کوئی دلیل لانے سے قاصر ہو۔ (۱)

---

(۱) یعنی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ علتِ حدیث میں نقد و نظر کرنے والے محدث کو اس بات کا کامل یقین ہوتا ہے کہ اس حدیث میں کمی اور قصور ہے مگر وہ اسے دلیل سے ثابت نہیں کر پاتا۔ محدث ابن مہدی کہتے ہیں "علم حدیث کی معرفت الہام ہے" ایک دفعہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کسی حدیث کو صحیح اور کسی کو غیر صحیح کہتے ہیں، یہ آپ کس دلیل کی بنا پر کہتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا۔ " أرأیت لو أتیت الناقد فأریته دراهمك فقال هذا جید،وهذا بهرج، أكنت تسأل عن ذالك أو تسلم له الأمر، قال فهذا كذالك بطول المجالسة والمناظرة والخبرة " بھلا بتاؤ تو اگر تم صرّاف کے پاس جا کر اسے چاندی کے سکے دکھاتے، پھر وہ کہتا کہ یہ کھرا ہے اور یہ کھوٹا ہے تو کیا تم اس سے پوچھتے کہ تم یہ کہاں سے کہہ رہے ہو، یا اس کی بات مان لیتے؟ پھر کہا: بس یہی حدیث کا معاملہ بھی ایسے ہی ہے، اس کے حسن و قبح کی معرفت محدثین کے پاس عرصۂ دراز تک نشست و برخاست، مناظرہ و مباحثہ، اور مہارت و تجربہ سے حاصل ہوتی ہے۔ (تدریب الراوی، ص/۱۶۲)

مُتابِع: جب ایک راوی سے کوئی حدیث مروی ہو اور دوسرے سے اسی کے موافق کوئی حدیث مروی ہو تو دوسرے کی حدیث کو مُتابِع اور پہلے کی روایت کو مُتابَع اور اس عمل کو متابعت کہا جاتا ہے۔

محدثین کے قول " تَابَعَهُ فُلَانٌ " (فلاں نے اس کی متابعت کی) کا یہی مطلب ہوتا ہے۔امام بخاری نے اپنی کتاب " صحیح بخاری" میں بہت سے مقامات پر اس کا استعمال کیا ہے اور محدثین کہتے ہیں "وله متابعات" متابعت باعث تقویت و تائید ہوتی ہے۔

حکم: متابعت سے حدیث میں قوت اور زور پیدا ہوتا ہے، بشرطیکہ متابع میں ضعفِ شدید نہ ہو یعنی نہ اس کا راوی متہم بالکذب ہو اور نہ ہی وہ حدیث منکر و شاذ ہو۔ (۱)

فائدہ: متابع کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ مرتبہ میں اصل کے برابر ہو، اگر اس سے کم درجہ کی ہو تب بھی وہ متابعت کی صلاحیت رکھتی ہے۔

متابعت کی قسمیں: متابعت کی دو قسمیں ہیں۔(۱) متابعتِ تامّہ (۲) متابعتِ قاصرہ۔

(۱) متابعت کبھی نفس راوی میں ہوتی ہے۔یعنی متابع ، اصل حدیث کے راوی سے لے کر آخر سند تک اس کے موافق ہوتی ہے۔اس کو متابعتِ تامّہ کہتے ہیں۔

(۲) اور کبھی اس کے اوپر کے شیخ میں ہوتی ہے۔اس کو متابعتِ قاصرہ کہتے ہیں۔مگر قسم اول بہ نسبت قسم ثانی کے کامل و اکمل ہوتی ہے اس لیے کہ کمزوری اکثر سند کے شروع ہی میں ہوتی ہے۔

مثله ونحوه: مُتابِع اگر لفظ و معنیٰ دونوں میں اصل (مُتابَع) کے موافق ہو تو اس کو "مثله" سے تعبیر کرتے ہیں۔اور اگر صرف معنیٰ میں موافق ہو لفظ میں موافق نہ ہو تو "نحوه" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

انتباہ: متابعت میں یہ شرط ہے کہ متابع اور اصل دونوں حدیثیں ایک ہی صحابی سے مروی ہوں۔

---

(۱) المنهل اللطيف في اصول الحديث الشريف لمحمد بن علوی المالکی ، ص/۱۳۲

شاھد : اگر (اصل اور متابع) دو صحابیوں سے مروی ہوں تو مُتابع کو "شاہد" کہا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے "لَہٗ شَاھِدٌ من حدیثِ أبی ھریرۃ" (یعنی ابو ہریرہ کی حدیث اس کی مؤید اور موافق ہے) اور یوں بھی کہتے ہیں "لَہٗ شَوَاھِدُ" (یعنی کئی حدیثیں اس کی مؤید ہیں)۔ یَشْھَدُ بِہٖ حَدِیثُ فُلَانٍ (فلاں کی حدیث اس کے موافق ہے)

تعریف دوم : بعض محدثین متابعت کو لفظ کی موافقت اور شاہد کو معنیٰ کی موافقت کے ساتھ خاص کرتے ہیں خواہ وہ ایک ہی صحابی سے مروی ہوں یا دو صحابیوں سے۔

تعریف سوم : اور کبھی شاہد اور متابع کا اطلاق ایک ہی معنی پر ہوتا ہے۔

اعتبار : متابع اور شاہد کی معرفت کے لئے حدیث کی مختلف سندوں کی تلاش و جستجو کو "اعتبار" کہا جاتا ہے۔

﴿فصل خامس﴾

صحیح — حسن — ضعیف

باعتبار مراتبِ قوت حدیث کی اصل میں تین قسمیں ہیں۔(۱) صحیح، یہ سب سے اعلیٰ درجہ کی حدیث ہے۔(۲) ضعیف، سب سے ادنیٰ درجہ کی، (۳) حسن، یہ متوسط درجہ کی ہے۔ اور (حدیث کی) مذکورہ بالا تمام قسمیں انہی تین اقسام میں داخل ہیں۔

صحیح : وہ حدیث ہے جو عادل، تام الضبط راوی کی روایت سے مروی ہو اور اس کی سند متصل ہو، اور مُعَلَّل و شاذ نہ ہو۔

صحیح کی قسمیں : اس کی دو قسمیں ہیں (۱) صحیح لذاتہ (۲) صحیح لغیرہ

صحیح لذاتہ : وہ حدیث ہے جس میں صحیح کی تعریف میں مذکور تمام صفات کامل طور پر پائی جائیں۔

صحیح لغیرہ : وہ حدیث ہے جس کے اندر صحت کے شرائط مذکورہ میں کچھ کمی ہو مگر

تعددِ طُرُق سے اس کی تلافی ہوگئی ہو۔

حسن کی قسمیں: حسن کی دو قسمیں ہیں۔(۱) حسن لذاتہ (۲) حسن لغیرہ۔

حسن لذاتہ: وہ حدیث ہے جس میں صحت کے مذکورہ بالا شرائط میں کسی قسم کی کمی پائی جاتی ہو اور تعدد طرق سے اس کی تلافی نہ ہوئی ہو۔

حسن لغیرہ: وہ حدیث ضعیف ہے جس کے ضعف کی تلافی ہوگئی ہو۔ تلافی ضعف کی متعدد صورتیں ہیں۔ مثلاً کئی سندوں سے مروی ہونا یا ائمہ کا اس پر عمل ہونا وغیرہ۔(۱)

ضعیف: وہ حدیث ہے جس میں صحیح کے تمام یا بعض شرائط نہ پائے جاتے ہوں اور کسی طرح اس کی تلافی بھی نہ ہوئی ہو۔

فائدہ: محدثین کے ظاہر کلام سے یہی پتہ چلتا ہے کہ صحیح کی مذکورہ بالا تمام صفات، حسن میں ناقص ہوسکتی ہیں، مگر تحقیق یہ ہے کہ وہاں اعتبار صرف حفظ وضبط کی کمی کا ہے۔

﴿فصل سادس﴾

ضعیف کی قسمیں

حدیث ضعیف کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) **ضعیف بضعف قریب:** یعنی ضعف اتنا کم ہے کہ اعتبار کے لائق ہے، مثلاً یہ ضعف، اختلاط راوی، سوء حفظ یا تدلیس وغیرہ کی وجہ سے ہے، یہ متابعات وشواہد کے کام آتی ہے، اور جابر سے قوت پاکر حسن لغیرہ بلکہ صحیح لغیرہ ہوجاتی ہے۔

(۲) **ضعیف بضعف قوی و وھن شدید:** جیسے وہ حدیث جو راوی کے فسق وغیرہ قوادح قویہ کے سبب متروک ہو بشرطیکہ ابھی سرحدِ کذب تک نہ پہنچی ہو۔ یہ احکام میں لائقِ استدلال نہیں، البتہ مذہب راجح پر فضائل میں مقبول، ہاں تعدُّد و تنوّعِ طُرُق سے انجبار کے بعد بالاتفاق مقبول ہے۔

---

(۱) تلافی ضعف کی متعدد صورتیں ہیں جن کی تفصیل آئندہ فصل میں ملاحظہ کریں ن۔ا۔مصباحی

(۳) **مطروح:** وہ جس کا راوی وضاع کذاب یا مُتّہم بالکذب ہو۔ یہ حدیث ضعیف کی بد ترین قسم ہے، بلکہ بعض محاورات کی بنا پر مطلقاً، اور ایک اصطلاح پر اگر اس کا مدار کذاب پر ہو تو اسے بھی موضوع کہتے ہیں۔ بنظر دقیق ان اصطلاحات پر یہ قسم موضوع حکمی میں داخل ہے۔

(۴) **موضوع:** یہ بالا جماع نہ قابل انجبار، نہ فضائل وغیرہ کسی باب میں لائق اعتبار، بلکہ اسے حدیث کہنا بطور مجاز ہے، حقیقت میں یہ حدیث ہی نہیں۔

ضعاف کی تقویت کے طریقے

حدیث ضعیف کی تقویت کے چند طریقے ہیں:

(۱) **تعدُّدِ طُرُق:** حدیث ضعیف اگر متعدد سندوں سے مروی ہو تو وہ کبھی حسن لغیرہ اور کبھی صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے اگر چہ وہ ساری سندیں ضعیف ہوں بشرطیکہ ان کا ضعف غایتِ شدت وقوت تک پہنچا ہو۔

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں ہے:

تعدد الطریق یبلغ الحدیث الضعیف الی حدالحسن ۔ (۱)

متعدد روایتوں سے آنا حدیث ضعیف کو درجۂ حسن تک پہنچا دیتا ہے

امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ " میزان الشریعہ الکبریٰ " میں فرماتے ہیں۔

قد احتجّ جمهور المحدثين بالحديث الضعيف اذا كثرت طرقه، وألحقوه بالصحيح تارة و بالحسن أخرى، و هذا النوع من الضعيف يوجد كثيرا فى كتاب السنن الكبرىٰ للبيهقى التى ألّفها بقصد الاحتجاج لأقوال الأيمة وأقوال أصحابهم۔ (۲)

حدیث ضعیف جب متعدد سندوں سے مروی ہو تو جمہور محدثین اسے لائق استدلال مانتے ہیں، اور اسے کبھی صحیح اور کبھی حسن کے ساتھ لاحق کرتے ہیں۔ اس قسم کی ضعیف حدیثیں امام بیہقی کے "سنن کبریٰ" میں بکثرت پائی جاتی ہیں جسے انہوں نے ائمۂ مجتہدین واصحاب ائمہ کے اقوال و مذاہب کے دلائل بیان کرنے کی غرض سے تالیف فرمایا ہے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ، ج/۳ ، ص / ۱۸ ، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ، ملتان ، پاکستان

(۲) میزان الشریعۃ الکبریٰ، ج /۱ ، ص/۶۸ ، مطبوعہ مکتبہ مصطفی البابی ، مصر

حصول قوت کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ سندیں بہت زیادہ ہوں، صرف دو مل کر بھی قوی ہوجاتی ہیں۔ تیسیر میں ہے:

ضعیف لضعف عمرو بن الواقد لكنه يقوى بوروده من طريقين ۔(۱)

یہ حدیث تو اپنے راوی عمرو بن واقد متروک کی وجہ سے ضعیف ہے، لیکن دو سندوں سے مروی ہونے کی وجہ سے قوت پاگئی۔

(۲) اہل علم کا عمل: کسی حدیث پر اہل علم کے عمل کرنے سے بھی وہ حدیث قوی ہوجاتی ہے اگرچہ سند ضعیف ہو، امام ترمذی نے اپنی سنن میں حدیث پر کلام کرنے کے بعد جگہ جگہ فرمایا: والعمل على هذا عند أهل العلم .

مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

رواه الترمذي وقال غريب، والعمل على هذا عند أهل العلم۔ قال النووي: وإسناده ضعيف، نقله ميرك فكان الترمذي يريد تقوية الحديث بعمل أهل العلم ۔(۲)

امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کیا اور کہا کہ یہ غریب ہے مگر اہل علم کا اس پر عمل ہے سید میرک نے امام نووی سے نقل کیا کہ اس کی سند ضعیف ہے گویا امام ترمذی اس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اہل علم کے عمل سے یہ حدیث قوی ہوگئی۔

(۳) صالحین کا عمل: صالحین کے عمل سے بھی حدیث قوی ہوجاتی ہے۔ صلوۃ التسبیح جس روایت سے ثابت ہے وہ ضعیف ہے، امام حاکم اور بیہقی نے اس کے قوی ہونے کی علت حضرت عبداللہ بن مبارک تلمیذ امام اعظم رضی اللہ عنہما کے عمل کو بتایا۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی لکھتے ہیں:

قال البيهقي كان عبد الله بن المبارك يصليها، وتداولها الصالحون بعضهم

امام بیہقی نے کہا: حضرت عبداللہ بن مبارک صلوۃ التسبیح پڑھا کرتے تھے، اور بعد کے صالحین

---

(۱) فتاوی رضویہ، ج/۲، ص/۴۴۹، مطبوعہ کراچی، پاکستان

(۲) مرقاۃ المفاتیح، ج/۳، ص/۹۸، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، پاکستان

عن بعض، وفي ذالك تقوية للحديث المرفوع ۔(۱)
نے اسے ایک دوسرے سے اخذ کر کے پڑھا ہے، اس وجہ سے اس حدیث مرفوع کو قوت مل گئی۔

(۴) **مجتہد کا استدلال :** مجتہد کے استدلال سے بھی حدیث ضعیف قوی ہو جاتی ہے، خاتم المحققین علامہ محمد امین بن عابدین شامی لکھتے ہیں:

ان المجتهد اذا استدل بحديث كان تصحيحاله، كما في التحرير وغيره (۲)
مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرلے تو وہ اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

(۵) **تجربہ و کشف :** کبھی تجربہ اور کشف سے بھی حدیث کو قوت مل جاتی ہے۔

حضرت ملا علی قاری مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح اور شرح شفا (ج/۲، ص/۳۹۹) میں تحریر کرتے ہیں۔

سید المکاشفین حضرت محی الدین بن العربی قدس سرہ نے فرمایا کہ مجھے حضور اکرم ﷺ سے حدیث پہنچی:

من قال لااله الا الله سبعين ألفاً غفر الله تعالى له، ومن قيل له غفرله أيضاً۔
جو شخص ستر ہزار بار لا الہ الا اللہ کہے اس کی مغفرت ہو جائے گی، اور جس کے لئے پڑھا جائے اس کی بھی مغفرت ہو جائے گی۔

میں نے یہ کلمہ ستر ہزار مرتبہ پڑھا تھا مگر کسی خاص شخص کی نیت نہیں کی تھی۔ ایک دعوت میں کچھ لوگوں کے ساتھ حاضر ہوا، اس میں ایک جوان بھی تھا جو کشف میں مشہور تھا، یہ جوان کھانا کھاتے کھاتے رونے لگا، میں نے سبب پوچھا تو بتانے لگا کہ میں اپنی ماں کو عذاب میں دیکھتا ہوں، میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا، فوراً وہ جوان ہنسنے لگا اور کہا اب میں اسے اچھی حالت میں دیکھتا ہوں۔

امام موصوف فرماتے ہیں:

---

(۱) الآثار المرفوعہ ، ص/۴۳
(۲) رد المحتار ، ص/

فعرفت صحة الحديث بصحة كشفه　　میں نے حدیث کی صحت اس جوان کے کشف سے
وصحة كشفه بصحة الحديث۔ (۱)　　اس کے کشف کی صحت اس حدیث سے جانی۔

علامہ شہاب الدین خفاجی مصری حنفی رحمۃ اللہ علیہ " نسیم الریاض شرح شفا" میں فرماتے ہیں:

بعض احادیث میں آیا ہے کہ بدھ کے دن ناخن ترشوانے سے برص ہو جاتا ہے، ایک عالم نے اس خیال سے کہ یہ حدیث صحیح نہیں بدھ کے دن ناخن ترشوالیا۔ انھیں برص ہو گیا، خواب میں حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: کیا تم نے نہیں سنا تھا کہ میں نے اس سے منع فرمایا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ حدیث میرے نزدیک ثابت نہیں۔ سرکار ﷺ نے فرمایا: تمہارے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ حدیث میرے نام سے تمہارے کان تک پہنچی، حضور اقدس ﷺ نے اپنا دستِ مبارک ان کے بدن پر پھیرا، فوراً برص کا اثر پورے جسم سے جاتا رہا، اسی وقت بارگاہِ الٰہی میں توبہ کی کہ اب کبھی حدیثِ رسول ﷺ سن کر مخالفت نہ کروں گا۔ (۲)

یہ عالم، امام علامہ ابن الحاج مکی مالکی صاحب مدخل تھے۔ علامہ سید طحطاوی نے حاشیۂ درمختار میں اس کی صراحت کی ہے۔ (۳)

اسی طرح کا واقعہ بدھ کے دن پچھنا لگوانے کے بارے میں بھی آیا ہے، جیسا کہ مسند الفردوس للدیلمی اور تاریخ ابن عساکر میں ہے۔ (۴)

البتہ اگر حدیث موضوع ہے کتنے ہی طرق سے مروی ہو اگر سب موضوع ہی ہوں تو وہ جوں کی توں نا قابلِ اعتبار رہے گی، اس لیے کہ جھوٹ سے جھوٹ کی تقویت نہیں ہو سکتی، علاوہ ازیں حدیث موضوع معدوم ہے، اور معدوم "نیستِ محض"

---

(۱) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج ۳/، ص ۳/، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان، پاکستان

(۲) نسیم الریاض شرح الشفا، ج ۱/، ص ۳۴۴/، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، لبنان

(۳) حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، ج ۴/، ص ۲۰۲/، مطبوعہ دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان

(۴) تفصیل کے لیے فتاویٰ رضویہ، ج ۲/، ص ۴۶۳/، ۴۶۴ کا مطالعہ کریں۔

کو کوئی بھی قوی نہیں کر سکتا۔(۱)

فائدۂ جلیلہ : عام اردو محاورات میں صحیح، غلط کا مقابل ہے مگر محدثین کی اصطلاح میں ایسا نہیں، اس لیے کسی حدیث کے بارے میں ان کا فرمانا کہ " صحیح نہیں " اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ حدیث غلط، موضوع، باطل اور بے اصل ہے، بلکہ اصطلاح محدثین میں صحیح اس حدیث کو کہتے ہیں جو اپنے تمام اوصاف کمال میں اعلیٰ درجہ پر فائز ہو، جس کے شرائط سخت و دشوار اور موانع و عوائق کثیر و بسیار ہیں، حدیث میں ان سب کا اجتماع اور ان سب کا ارتفاع کم ہوتا ہے، صحیح کے مقابل حدیث کی سات قسمیں اور ہیں، اس لیے محدثین کے قول " یہ حدیث صحیح نہیں " کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ موضوع، بے سروپا، یا باطل اور بے اصل ہے، بلکہ ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ حدیث کی سب سے اعلیٰ قسم " صحیح لذاتہ " نہیں، ہو سکتا ہے صحیح لغیرہ ہو، حسن لذاتہ ہو، یا حسن لغیرہ ہو۔ اور اصطلاحات محدثین کی ادنیٰ واقفیت رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ یہ سب احکام حلال وحرام میں حجت ہیں۔

امام ابن حجر مکی " صواعق محرقہ " میں فرماتے ہیں:

قول أحمد انّه حديث لا يصحّ أي لذاته فلا ينفي كونه حسنا لغيره، و الحسن لغيره يحتجّ به كما بيّن في الحديث۔ (۲)

امام احمد کا فرمانا کہ " یہ حدیث صحیح نہیں " اس کے معنی ہیں کہ صحیح لذاتہ نہیں، تو اس سے حسن لغیرہ ہونے کی نفی نہیں ہوتی، اور حسن اگرچہ لغیرہ ہو حجت ہے جیسا کہ علم حدیث میں بیان ہو چکا۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ موضوعات کبیر میں فرماتے ہیں:

" لا يصحّ " لا ينافي الحسن۔ اه ملخصا.(۳)

محدثین کا قول کہ یہ حدیث صحیح نہیں اس کے حسن ہونے کی نفی نہیں کرتا۔

---

(۱) نزہۃ القاری ، ج/۱ ، ص/۴۵ ، مطبوعہ دائرۃ البرکات ، گھوسی ، مئو ، انڈیا

(۲) الصواعق المحرقہ ، الفصل الاول فی الآیات الواردۃ فیہم ، ص/۱۸۵ ، مطبوعہ مکتبہ مجیدیہ، ملتان، پاکستان

(۳) الأسرار المرفوعۃ فی الأخبار الموضوعۃ ، حدیث/۹۲۹ ، ص/۲۳۶ ، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان

محدثین کہیں فرماتے ہیں " صحیح نہیں " اور وہ حدیث صحیح لغیرہ ہوتی ہے، اور کبھی فرماتے ہیں " صحیح نہیں " اور وہ حدیث حسن لذاتہ ہوتی ہے، اور کبھی کہتے ہیں " صحیح نہیں " اور وہ حدیث حسن لغیرہ ہوتی ہے۔ اس لیے کسی حدیث کے بارے میں محدثین کے قول " صحیح نہیں " سے اس کے باطل و موضوع ہونے پر دلیل لانا اصطلاحات محدثین سے ناواقفی اور جہالت ہے۔ جو اس مسئلہ کی پوری تحقیق و تفصیل دیکھنا چاہے وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرّہ کے رسالۂ مبارکہ " منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین " کا مطالعہ کرے، اس مسئلہ کی اس سے عمدہ علمی و فنی تحقیق شاید ہی کہیں ملے۔

فصل سابع

عدالت ــــــ اسباب طعن

عدالت : انسان کی ذات میں پایا جانے والا ملکہ جو اسے تقویٰ اور مروت کی پابندی پر آمادہ کرے۔

تقویٰ : کفر و شرک اور فسق و بدعت جیسی برائیوں سے بچنا۔ گناہ صغیرہ سے بچنے کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ مگر مذہب مختار یہی ہے کہ صغیرہ سے بچنا تقویٰ کے لئے ضروری نہیں کیونکہ یہ انسان کے بس سے باہر ہے، مگر گناہ صغیرہ پر اصرار سے بچنا ضرور شرط تقویٰ ہے، کیونکہ گناہ صغیرہ پر اصرار کبیرہ ہے۔

مروت: سے مراد ایسے خسیس اور رذیل کاموں سے بچنا ہے جو اگرچہ مباح ہیں مگر وقار اور انسانیت کے خلاف سمجھے جاتے ہیں جیسے بازاروں میں کھانا، پینا، راستہ میں پیشاب کرنا وغیرہ۔

عدل روایت اور عدل شہادت میں فرق: راوی اور شاہد دونوں کے لئے عادل ہونا ضروری ہے مگر عدل روایت، عدل شہادت سے عام ہے۔ (۱) کیونکہ عدل شہادت آزاد ہی کے ساتھ خاص ہے اور عدل روایت آزاد اور غلام دونوں کو عام ہے۔

(۲) یوں ہی عدلِ روایت کے لیے کسی صورت میں مرد ہونا ضروری نہیں، جب کہ عدل شہادت کے لیے بعض صورتوں میں مرد ہونا ضروری ہے۔ (۳) اسی طرح راوی کی اپنے اصول وفروع سے روایت مقبول ہے مگر ان کے حق میں شہادت مقبول نہیں۔(۱)

ضبط: سے مراد سنی ہوئی حدیث کو یاد رکھنا، کمی بیشی اور خلل سے اسے بچانا تا کہ بوقتِ ضرورت اس کو بآسانی بیان کر سکے۔

اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ضبط الصدر (۲) ضبط الکتاب۔

ضبط صدر: حدیث کو دل میں اس طرح محفوظ رکھنا کہ جب چاہے اس کو بعینہٖ بیان کر سکے۔

ضبط کتاب: بیان کرنے کے وقت تک اسے لکھ کر محفوظ کر لینا۔

اسباب طعن

راوی کی عدالت سے متعلق اسباب طعن پانچ ہیں۔

اول: کذب۔ دوم: اتہام کذب۔ سوم: فسق۔ چہارم: جہالت۔ پنجم: بدعت۔

(۱) **کذب راوی**: سے مراد یہ ہے کہ خود اس کے اقرار کر لینے یا دوسرے قرائن(۲) سے حدیثِ نبوی میں اس کا جھوٹ بولنا ثابت ہو جائے۔

---

(۱) تدریب الراوی للحافظ جلال الدین السیوطی ، ص/۲۲۲

(۲) محدثین نے ثبوت کذب ووضع کے بہت سے طریقے اپنی تصنیفات میں بیان کیے ہیں۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے تدریب الراوی میں ص/۱۷۸ تا ۱۸۱، اس موضوع پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے "عجالۂ نافعہ" میں گیارہ صورتیں تحریر فرمائی ہیں، اور امام احمد رضا محدث بریلوی نے رسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" مشمولہ فتاوی رضویہ جلد دوم میں تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ اور ثبوت وضع کے پندرہ طریقے مع حوالہ تحریر فرمائے ہیں۔ افادۂ عام کے لئے آئندہ صفحات میں اس کی تلخیص پیش کی گئی ہے، وہیں ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ نفیس احمد مصباحی

موضوع: (بربنائے مذہب مشہور) مطعون بالکذب کی حدیث کوموضوع کہا جاتا ہے۔

حکم: جس سے حدیثِ نبوی میں عمداً جھوٹ بولنا ثابت ہوجائے اگرچہ عمر میں ایک ہی مرتبہ،تو اس کی حدیث ہمیشہ کے لیے غیر مقبول ہوجائے گی اگرچہ وہ اس سے توبہ کرلے۔اس کے برخلاف جھوٹی گواہی دینے والا جب اس سے توبہ کرلے تو اس کی روایت مقبول ہے۔

نوٹ: اصطلاحِ محدثین میں حدیثِ موضوع سے یہی مراد ہے کہ یہ وضاع، کذاب کی روایت ہے یہ مرادنہیں کہ اس راوی کا خاص اس حدیث میں جھوٹ بولنا ثابت ہے اوراس کا علم ویقین ہوچکا ہے۔

حکم وضع ظنی ہوتا ہے : یہ مسئلہ ظنّی ہے،وضع وافترا کا حکم ظن غالب کے اعتبار سے ہوتا ہےاس کے قطعی اور یقینی ہونے کی کوئی سبیل نہیں، کیونکہ جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے۔

ابھی سابق میں گزرا کہ وضع حدیث کی معرفت کے مختلف طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ راوی خود ہی حدیث کے موضوع ہونے کا اقرار کرلے، محدث شہیر علامہ تقی الدین بن دقیق العید نے فرمایا"اس صورت میں بھی حدیث کا موضوع ہونا قطعی اور یقینی طور پرنہیں ہوتا، کیونکہ ہوسکتا ہے وہ اپنے اس اقرار میں جھوٹا ہو" مگر ابن جوزی وغیرہ بعض محدثین نے ابن دقیق العید کے کلام کا مطلب یہ سمجھا کہ راوی کے اقرار وضع کے باعث حدیث پرکوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا یعنی اقرار وضع کی وجہ سے اس کوموضوع نہیں کہا جاسکتا،اس لیے کہ وہ راوی جھوٹا ہے تو اس کا اقرار بھی ساقط الاعتبار ہے۔اس کا جواب شیخ محقق دہلوی علیہ الرحمہ نے یہ دیا ہے کہ اگرچہ وہ جھوٹا ہے مگر قرائن کی وجہ سے اقرار وضع میں اس کا سچا ہونا معلوم ہوتا ہے اگر مجرم وفاسق کا اقرار بالکل ساقط الاعتبار ہوتو قاتل کے اقرار پر قصاص، زانی کے اقرار پر سنگسار بھی نہ ہوسکے گا،ہاں ابن دقیق العید کا یہ فرمانا بجا ہے کہ اقرار مفید قطع ویقین نہیں،مگر مفید ظنِ غالب ضرور ہے۔

(۲) اتہام کذب: اس کا مطلب یہ ہے کہ عوامی گفتگو میں اس کا جھوٹا ہونا مشہور ہو،اور حدیثِ نبوی میں اس کا جھوٹ بولنا ثابت نہ ہو۔

متروک: اسی کے حکم میں اس چیز کی روایت بھی ہے جو شریعت کے قواعد معینہ ضروریہ کے

خلاف ہو۔ کذاقیل ـــــ اس قسم کو متروک کہاجاتا ہے۔ مثلاً کہاجاتا ہے۔ " حدیثہ متروك " (اس کی حدیث متروک ہے) " فلان متروك الحدیث " (فلاں راوی متروک الحدیث ہے)

مُتَّہَم بالکذب کا حکم: یہ شخص اگر بچی توبہ کرلے، اور اس سے صدق کی علامتیں ظاہر ہو جائیں تو اس سے حدیث کی سماعت جائز ہے، وہ شخص جس سے کبھی کبھار نادرًا اپنی گفتگو میں جھوٹ کا وقوع ہو جائے مگر حدیث نبوی میں جھوٹ واقع نہ ہو تو اس کی حدیث کو موضوع یا متروک نہیں کہاجائے گا۔ اگر چہ یہ بھی گناہ ہے۔

(۳) **فسق:** گناہ کبیرہ کے ارتکاب کو فسق کہتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) فسق علمی (۲) فسق اعتقادی۔ مگر یہاں اسباب طعن میں اس سے مراد فسق عملی ہے فسق اعتقادی نہیں کیونکہ وہ تو بدعت میں داخل ہے جو کہ مستقل سبب طعن ہے اور بدعت کا استعمال زیادہ تر فسق اعتقادی ہی کے معنی میں ہوتا ہے۔

جھوٹ اگر چہ فسق کے مفہوم میں داخل ہے مگر محدثین نے اس کو علاحدہ ایک مستقل سبب طعن شمار کیا ہے کیونکہ حدیث کے معاملے میں اس کے ذریعہ ہونے والا طعن دیگر مطاعن سے سخت تر ہے۔

(۴) **جہالت:** راوی کا مجہول اور نامعلوم ہونا بھی طعن فی الحدیث کا ایک سبب ہے کیونکہ جب اس کا نام اور شخصیت معلوم نہ ہو تو اس کا حال بھی معلوم نہ ہو سکے گا کہ وہ ثقہ ہے یا نہیں۔ جیسے کہیں " حَدَّثَنِی رَجُلٌ " (مجھ سے ایک شخص نے حدیث بیان کی) " اَخْبَرَنِی شَیْخٌ " (مجھے ایک شیخ نے خبر دی) اس کو مُبْهَم کہتے ہیں۔

مُبہَم کا حکم: یہ حدیث نامقبول ہے، ہاں اگر وہ راوی صحابی ہو تو یقیناً مقبول ہے کہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں۔ اگر مبہم کلمہ تعدیل کے ساتھ آئے مثلاً راوی یوں کہے " اخبرنی عدلٌ، حدثنی ثقةٌ " تو اس میں اختلاف ہے صحیح ترین مذہب یہ ہے کہ وہ نامقبول ہوگی۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے اعتقاد وخیال کے مطابق عادل ہو حقیقت میں عادل نہ ہو۔ ہاں! اگر فن حدیث کا کوئی ماہر امام ومقتدا یہ کہے تو اسے قبول کیا جائے گا۔

(۵) **بدعت** : سے مراد یہ ہے کہ جو بات دین میں مشہور و معروف ہو، رسول اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام سے ثابت ہو اس کے خلاف اعتقاد رکھنا جبکہ کسی شبہ اور تاویل کی بنا پر ہو، از راہ عناد و انکار نہ ہو کہ یہ تو کفر ہے۔

بدعت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) **بدعتِ مُکَفِّرَہ**: ایسی بدعت جو حد کفر تک پہونچ جائے۔

(۲) **بدعتِ مُفَسِّقَہ**: ایسی بدعت جو حد کفر تک نہ پہونچی ہو مگر فسق و گمراہی کا باعث ہو۔

بدعتی کی حدیث کا حکم: بدعتی کی حدیث مقبول ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں اصحاب حدیث کی رائیں مختلف ہیں۔ ☆ جمہور محدثین کے نزدیک بدعتی کی حدیث مردود و نامقبول ہے۔ ☆ بعض محدثین کے نزدیک اگر وہ راست گو ہو اپنی زبان کی حفاظت کرتا ہو تو اس کی حدیث مقبول ہوگی ورنہ نہیں ☆ کچھ محدثین کا کہنا ہے کہ اگر وہ شریعت کی کسی متواتر، ضروری اور قطعی چیز کا منکر ہو تو مردود و نامقبول ہے، اور اگر ایسا نہ ہو اور اس میں حفظ و ضبط، ورع و تقویٰ اور احتیاط و صیانت پائی جاتی ہو تو اس کی حدیث مقبول ہوگی، اگر چہ مخالفین نے اس کی تکفیر کی ہو۔ ☆ مذہب مختار یہ ہے کہ اگر وہ بدعت کی طرف لوگوں کو بلاتا ہو اور اس کی ترویج و اشاعت کرتا ہو تو اس کی حدیث مردود ہوگی، ایسا نہ ہو تو مقبول ہوگی۔ ہاں! اگر ایسی چیز روایت کرے جس سے اس کی بدعت کو تقویت ہوتی ہو تو وہ قطعاً مردود نامقبول ہے۔ ☆ صاحب جامع الاصول علامہ ابن اثیر جزری نے کہا: محدثین کی ایک جماعت نے خارجیوں سے اور قدر و رفض و تشیعیت کی طرف منسوب راویوں سے، نیز دیگر مبتدعین سے حدیث لی ہے۔ مگر دوسرے بہت سے محدثین نے ان لوگوں سے حدیث لینے میں احتیاط برتی ہے، اور سب کی نیتیں الگ الگ ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ان فرقوں سے تحری اور استصواب کے بعد ہی حدیث لی جاتی ہے۔ پھر بھی احتیاط نہ لینے ہی میں ہے، کیونکہ تاریخی دلائل و شواہد سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ لوگ اپنے مذاہب باطلہ و افکار فاسدہ کی ترویج و اشاعت کے لیے حدیثیں گڑھتے تھے، اور اپنے مذہب سے رجوع اور توبہ کے بعد اس کا اعتراف بھی کرتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ضبط راوی سے متعلق اسباب طعن

ضبط سے متعلق اسبابِ طعن بھی پانچ ہیں۔

(۱) فرطِ غفلت (۲) کثرتِ غلط (۳) مخالفتِ ثقات (۴) وہم (۵) سُوءِ حفظ۔

(۱) **فرط غفلت:** سے مراد یہ ہے کہ راوی کو اپنے مرویات سے ایسی غفلت ہو کہ وہ دوسروں کی تلقین قبول کرلے یعنی دوسرا جو بتادے کہ تو نے یہ سنا تھا وہی مان لے۔

(۲) **کثرت غلط:** سے مراد یہ ہے کہ راوی کی بیانِ حدیث میں غلطیاں صواب سے زیادہ یا برابر ہوں۔ ــــــــ اس بیان سے ظاہر ہوگیا کہ غفلت، حدیث کی سماعت اور اس کی یادداشت میں ہوتی ہے، جب کہ غلطی حدیث سنانے اور دوسرے تک پہنچانے میں ہوتی ہے۔

(۳) **مخالفت ثقات:** یہ ہے کہ راوی اسناد یا متن میں ثقہ راویوں کی مخالفت کرے۔ مخالفتِ ثقات سے حدیث شاذ ہوجاتی ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں جو اس فن کی مُطوّلات میں مذکور ہیں۔

اس کو حفظ وضبط سے متعلق اسبابِ طعن میں اس لیے شمار کیا کہ ثقہ راویوں کی مخالفت حفظ وضبط کے فقدان اور تغیر وتبدُّل سے محفوظ نہ ہونے ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

(۴) **طعن بوجہ وہم و نسیان:** کبھی وہم ونسیان کی وجہ سے روایتِ حدیث میں راوی سے خطا سرزد ہوجاتی ہے۔ اگر وُجُوہِ عِلَل اور اسبابِ قادحہ کو بتانے والے قرائن کے ذریعہ اس کی اطلاع مل جائے تو وہ حدیث "مُعَلَّل" کہلاتی ہے۔

مسئلۂ حدیث مُعَلَّل: یہ علوم حدیث کا بہت ہی باریک اور دقیق مسئلہ ہے، اس پر وہی شخص مطلع ہوتا ہے جسے اعلیٰ درجہ کی فہم وفراست، زبردست قوتِ حافظہ اور راویوں کے مراتب واسانید ومتون کے احوال کی کامل واقفیت ہو۔ جیسے علی بن مدینی، احمد بن حنبل، محمد بن اسمٰعیل بخاری، یعقوب بن ابی شیبہ، ابوحاتم، ابوذُرعہ، یہاں تک کہ دارقطنی پر یہ سلسلہ ختم ہو

گیا، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ دارقطنی کے بعد کوئی اس کا ماہر پیدا نہ ہوا۔ واللہ اعلم

(۵) **سُوءِ حفظ** (یادداشت کی خرابی) : اس سے مراد یہ ہے کہ کہ اس کا صواب خطا پر غالب نہ ہو۔ اگر خطا صواب پر غالب یا مساوی ہو تو سوءِ حفظ میں داخل ہے۔

حکم: راوی کو سوءِ حفظ کا عارضہ اگر عمر بھر رہا تو اس کی حدیث مقبول نہیں، اور بعض محدثین کے نزدیک یہ بھی شاذ میں داخل ہے۔ اور اگر کسی عارضی سبب مثلاً بڑھاپے، ضعفِ بصارت یا کتابوں کے ضائع ہو جانے کی بنا پر سوءِ حفظ ہو گیا تو ایسی حدیث کو "**مختلط**" کہتے ہیں۔ ایسے راوی کی اختلاط اور یادداشت کی خرابی سے پہلے کی مرویات، بعد کی مرویات سے جدا اور ممتاز ہوں تو وہ مقبول ہیں، ورنہ ان میں توقف کیا جائیگا اور اگر اس میں شبہہ واقع جائے جب بھی یہی حکم ہے۔ ہاں! ان کے متابعات وشواہد مل جائیں تو وہ مردود و نامقبول ہونے کی بجائے مقبول وراجح ہو جائیں گی۔ مستور الحال، مُدَلِّس اور مُرسِل راویوں کی احادیث کا بھی یہی حکم ہے۔

﴿فصل ثامن﴾

(ثبوتِ وضع کے طریقے)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ "**منیر العین**" میں فرماتے ہیں: کسی حدیث کا موضوع ہونا درج ذیل پندرہ طریقوں سے ثابت ہوتا ہے۔

(۱) اس روایت کا مضمون قرآنِ عظیم (۲) یا سنتِ متواترہ (۳) یا اجماعِ قطعی (تینوں قطعیات الدلالہ (۴) یا عقلِ صریح (۵) یا حسِ صحیح (۶) یا تاریخِ یقینی کے ایسا مخالف ہو کہ احتمالِ تاویل وتطبیق نہ رہے (۷) یا معنی شنیع وقبیح ہوں جن کا صدور حضور پر نور صلوات اللہ علیہ سے منقول نہ ہو۔ جیسے معاذ اللہ کسی فساد یا ظلم یا عبث یا سفہ یا مدحِ باطل یا ذمِ حق پر مشتمل ہونا۔

(۸) یا ایک جماعت جس کا عدد حدِ تواتر کو پہونچے، اور ان میں احتمالِ کذب یا ایک دوسرے

کی تکذیب کنندہ ہے، اس کے کذب وبطلان پرگواہی مُسْتَنِداً الی الحس دے (۹) یا خبر کسی ایسے امر کی ہو کہ اگر واقع ہوتا تو اس کی نقل وخبر مشہور و مستفیض ہو جاتی ہے، مگر اس روایت کے سوا اس کا کہیں پتہ نہیں۔

(۱۰) یا کسی حقیر فعل کی مدحت اور اس پر وعدہ و بشارت یا صغیر امر کی مذمت اور اس پر وعید و تہدید میں ایسے لمبے چوڑے مبالغے ہوں جنھیں کلامِ معجز نظامِ نبوت سے مشابہت نہ رہے۔
یہ دس صورتیں تو صریح ظہور و وضوح کی ہیں۔

(۱۱) یا یوں حکم وضع کیا جاتا ہے کہ لفظ رکیک وسخیف ہوں، جنھیں سمع، دفع اور طبع منع کرے اور ناقل مدّعی ہو کہ یہ بعینہا الفاظِ کریمہ، حضور افصح العرب ﷺ ہیں یا وہ محل ہی نقل بالمعنیٰ کا نہ ہو۔ (۱۲) یا ناقل رافضی حضرات اہل بیت کرام علیٰ سیدھم و علیھم الصلوٰۃ والسلام کے فضائل میں وہ باتیں روایت کرے جو اس کے غیر سے ثابت نہ ہوں۔ جیسے حدیث " لَحْمُكَ لَحْمِي وَدَمُكَ دَمِي۔"

اَقُوْلُ: انصافاً یوں ہی وہ مناقب امیر معاویہ وعمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ صرف نواصب کی روایت سے آئیں، کہ جس طرح روافض نے فضائل امیر المومنین و اہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں قریب تین لاکھ حدیثیں وضع کیں کما نص علیہ الحافظ أبو يعلى و الحافظ الخليلي في الارشاد یوں ہی نواصب نے مناقبِ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حدیثیں گڑھیں کما أرشد اليه الامام أحمد بن حنبل رحمه الله تعالى. (۱۳) یا قرائن حالیہ گواہی دے رہے ہوں کہ یہ روایت اس شخص نے کسی طمع یا غضب وغیرہ کے باعث گڑھ کر پیش کر دی۔ جیسے حدیثِ سبق میں زیادت "جناح" اور حدیث ذمِ مُعلّمینِ اطفال۔ (۱۴) یا تمام کتب وتصانیف اسلامیہ میں استقراءِ تام کیا جائے اور اس کا کہیں پتہ نہ چلے یہ صرف اَجِلّہ حُفاظ وائمہ شان کا کام تھا جس کی لیاقت صدہا سال سے معدوم۔ (۱۵) یا راوی خود اقرار وضع کرے خواہ صراحۃً خواہ ایسی بات کہے جو بمنزلۂ اقرار ہو مثلاً ایک شیخ سے بلا واسطہ بدعویٰ سماع روایت کرے پھر اس کی تاریخ وہ بتائے کہ اس کا اس سے سننا معقول نہ ہو۔

یہ پندرہ باتیں ہیں کہ شاید اس جمع و تلخیص کے ساتھ ان سطور کے سوانہ ملیں، ولـو بسطنا المقال علیٰ کل صورة لطال الکلامُ و تقاضی المرام ولسنا هنالك بصدد ذلك۔(۱)

اب رہا یہ سوال کہ جو حدیث ان پندرہ دلائل سے خالی ہو اسے موضوع کہنے کی رخصت کس حال میں ہے اس باب میں کلماتِ علمائے کرام تین طرح ہیں: (۱) انکارِ محض: یعنی امور مذکورہ کے بغیر موضوع کہنے کا جواز بالکل نہیں، اگر چہ راوی وضاع و کذاب ہی پر اس کا مدار ہو، امام سخاوی نے " فتح المغیث شرح الفیة الحدیث " میں اسی پر جزم فرمایا۔ (۲) صرف ایسے وضاع و کذاب کی حدیث کو موضوع کہیں گے جس سے قصداً نبی ﷺ پر معاذ اللہ بہتان وافترا کرنا ثابت ہو یہ بھی بطریق ظن نہ بطور یقین کہ بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے۔

اور اگر قصداً اس سے افترا ثابت نہیں تو اس کی حدیث موضوع نہیں اگر چہ متّہم بکذب و وضع ہو۔ یہ مسلک امام الشان علامہ ابن حجر وغیرہ علما کا ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ امام مالک نے خلیفہ منصور عباسی سے ارشاد فرمایا:" اپنا منہ حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ سے کیوں پھیرتا ہے؟ وہ تیرا اور تیرے باپ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اللہ عزوجل کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں ان کی طرف منہ کر اور ان سے شفاعت مانگ کہ اللہ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔"

اسے اکابر نے باسانید جیدہ مقبولہ روایت فرمایا ہے۔ ابن تیمیہ متّہوِر (بے باک) نے جزافا (اٹکل سے) بک دیا کہ اِنَّ ھٰذِہِ الحِکَایَۃَ کَذِبٌ عَلیٰ مَالِکٍ (یہ داستان امام مالک پر افترا ہے)۔

علامہ زرقانی نے اس کے رد میں فرمایا یہ عجیب تحکم و بے باکی ہے، اس واقعہ کو ابو الحسن علی بن فہر نے اپنی کتاب فضائل مالک میں بسندِ جید روایت کیا اور امام قاضی عیاض نے اپنے ثقات مشائخ میں سے متعدد شیوخ کے طرق سے اس کی تخریج فرمائی تو وہ

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج ۱۲، ص/ ۳۹۷، ۳۹۸، مطبوعہ دہلی، انڈیا

کذب کیوں کر ہے جب کہ اس کی سند میں نہ تو کوئی وضاع ہے نہ کذاب۔[1] (معلوم ہوا کہ صرف کذاب وضاع کی روایت کو موضوع کہیں گے)۔

(۳) بعض علما کہیں یوں فرماتے ہیں کہ یہ روایت موضوع تو جب ہوتی کہ اس کا راوی متہم بالکذب ہوتا، یہاں ایسا نہیں تو موضوع نہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان بعض حضرات کے نزدیک متہم بالکذب کی روایت کو بھی موضوع کہہ سکتے ہیں،

بالجملہ اتنے پر اجماع محققین ہے کہ حدیث جب دلائل و قرائن قطعیہ و غالبہ سے خالی ہو اور اس کا مدار کسی متہم بالکذب پر نہ ہو تو ہرگز کسی طرح اسے موضوع کہنا ممکن نہیں جو اس کے بغیر موضوع کہہ دے یا تو حد سے بڑھا ہوا شدت پرست ہے، یا غلط کار خاطی، یا مغالطہ دہ مُتَعَصِّب۔ واللہ الہادی۔[2]

﴿فصل تسع﴾

غریب ـــــ عزیز ـــــ مشہور ـــــ متواتر

راویوں کی کثرت و قلت کے اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں ہیں: (۱) غریب (۲) عزیز (۳) مشہور (۴) متواتر۔

غریب: وہ حدیث صحیح ہے جس کا راوی کسی دور یا ہر دور میں صرف ایک ہو۔

عزیز: وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر طبقے میں دو ہوں۔

نوٹ: غریب اور عزیز کو "خبر واحد" بھی کہتے ہیں۔

مشہور: وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر دور میں دو سے زائد ہوں، اس کو مستفیض بھی کہتے ہیں۔

---

(۱) امام عبدالباقی زرقانی مالکی ، شرح مواہب لدنیہ ، مقصد عاشر ، فصل ثانی۔

(۲) امام احمد رضا قادری ، فتاویٰ رضویہ ، ج/۲ ، ص/۳۹۸ــــ ۴۰۱، مُلَخَّصاً مُوضحاً۔

متواتر: وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر دور میں اتنے زیادہ ہوں کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا عادۃً محال ہو۔

فائدہ: محدثین کا اس پر اجماع ہے کہ متواتر کے راوی تین سے زائد ہوں گے لیکن کم از کم کتنی تعداد ہونی چاہیے اس میں اختلاف ہے۔ اس کے سلسلے میں چار، پانچ، دس، بارہ، چالیس اور ستر مختلف اقوال ہیں۔ " كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ " مگر علامہ ابن حجر عسقلانی نے عدم تعیین کو صحیح اور حافظ جلال الدین سیوطی نے اس کو اصح قرار دیا ہے۔

نوٹ: حدیث غریب کو "فرد" بھی کہتے ہیں۔

فرد کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) فردِ نسبی (۲) فردِ مطلق۔

فرد نسبی: اگر سند میں صرف ایک جگہ ایک راوی ہو تو اس کو فردِ نسبی کہا جاتا ہے۔

فرد مطلق: اگر سند میں ہر جگہ ایک ہی راوی ہو تو اس کو فردِ مطلق کہتے ہیں۔

تنبیہ: دو راوی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پوری سند میں ہر جگہ دو راوی ہوں۔ لہٰذا اگر پوری سند میں صرف ایک جگہ دو راوی ہوں تو وہ حدیث غریب ہوگی، عزیز نہ ہوگی۔ یوں ہی حدیثِ مشہور میں راویوں کے دو سے زائد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پوری سند میں ہر جگہ دو سے زائد ہوں۔ محدثین کے قول " انّ الأقلّ حاکم علی الأکثر فی ھذاالفن " (اس فن میں کم، زیادہ پر حاکم ہوتا ہے) کا یہی مطلب ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہوگیا کہ غرابت، صحت کے منافی نہیں، لہٰذا یہ ہوسکتا ہے کہ حدیث غریب بھی ہو، صحیح بھی ہو، بایں طور کہ اس کا ہر راوی ثقہ ہو۔

غریب کی دوسری تعریف: غریب کبھی اس شاذ کے معنیٰ میں آتا ہے جس کا شذوذ، طعن فی الحدیث کی ایک قسم ہے۔ صاحبِ مصابیح امام محی السنۃ بغوی جب یہ کہتے ہیں کہ " یہ حدیث غریب ہے " تو اس وقت یہی معنیٰ مراد ہوتا ہے کیونکہ ان کا یہ کہنا بطور جرح و طعن ہوتا ہے۔

کچھ لوگ شاذ کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ " جس حدیث کا ایک راوی ہو " اور وہ لوگ اس میں مخالفت ثقات کا اعتبار نہیں کرتے، چنانچہ وہ لوگ کبھی کہتے ہیں " یہ حدیث صحیح

اورشاذ ہے" اورکبھی کہتے ہیں "یہ حدیث صحیح ہے،شاذ نہیں" اس معنی کر شذوذ بھی غرابت کی طرح صحت کے منافی نہیں جبکہ مقامِ طعن میں جس شذوذ کا ذکر آتا ہے اس میں مخالفتِ ثقات ہوتی ہے۔

﴿فصل عاشر﴾

ضعیف : وہ حدیث ہے جس میں صحیح اور حسن کے تمام یا بعض شرائط نہ پائے جاتے ہوں اور وہ شاذ، منکر یا معلّل ہو۔

اس اعتبار سے حدیث ضعیف کی کئی قسمیں ہیں، بقول عراقی شیخ ابن صلاح نے بیالیس، ابن حبان نے انچاس، بعض محدثین نے ترسٹھ، اور شیخ شرف الدین مُناوی نے ایک سوانتیس قسمیں ذکر کی ہیں، ان میں سے بہت سی اقسام کے لیے مخصوص القاب واسماہیں جیسے شاذ، موضوع، مقلوب، مُعلّل، مضطرب، مرسل، منقطع، معضل اور منکر، اور بعض ضعیف ہی کے لقب سے جانی جاتی ہیں۔(۱)

صحیح و حسن کے مراتب: صحیح لذاتہ، حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ، حسن لغیرہ کی تعریفات میں جن اوصاف وشرائط کا لحاظ ہے ان کے درجۂ کمال کے اعتبار سے ان احادیث کے مراتب میں فرق ہوتا ہے، اور ان کی متعدد قسمیں ہو جاتی ہیں حالانکہ صحت وحسن کے اوصاف دونوں میں مشترک ہوتے ہیں، محدثین نے صحت کے درجات متعین کیے ہیں اور اس کی مثال میں سندیں بھی پیش کی ہیں، چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ عدالت اور حفظ وضبط کے اوصاف اس کے تمام راویوں میں پائے جاتے ہیں تاہم ان میں ایک کو دوسرے پر فوقیت ہوتی ہے۔

اَصَحُّ الاَسَانید: مطلقاً کسی کو سب سے صحیح ترین سند کہنے میں محدثین کا باہم اختلاف ہے۔ (ا) بعض محدثین کہتے ہیں کہ سب سے صحیح ترین سند یہ ہے۔ " زین العابدین عن

---

(۱) تدریب الراوی ، ص/۱۰۵ ، ۱۰۷

أبيه رضي الله عنه عن جده ۔ ﷺ" (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اصح الاسانید " مالك عن نافع عن ابن عمر " ہے۔ (۳) تیسرا قول یہ ہے کہ۔" الزهري عن سالم عن ابن عمر " ہے۔
مگر حق یہ ہے کہ کسی خاص سند کو مطلقاً اصح الاسانید کہنا درست نہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ صحت کے درجات عالیہ کئی ہیں اور متعدد سندیں ان کے تحت آتی ہیں، اس لئے اگر کسی قید کا اضافہ کر کے یوں کہا جائے کہ " فلاں شہر یا فلاں باب یا فلاں مسئلہ کی صحیح ترین سند " تو یقیناً یہ بجا اور درست ہوگا۔ واللہ اعلم۔

فصل حادی عشر

اصطلاحات ترمذی : امام ترمذی کا طریقہ ہے کہ وہ اپنی کتاب " جامع ترمذی " میں کبھی کہتے ہیں " حديث حسن صحيح " کبھی یوں " حديث غريب حسن " اور کبھی اس طرح " حديث حسن غريب صحيح " حسن اور صحیح کا اجتماع ایک ہی مقام پر بلاشبہ ممکن ہے اس طرح کہ وہ حدیث حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہو یونہی غرابت اور صحت کا بھی ایک حدیث میں اجتماع ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے۔
اعتراض: غرابت اور حسن کے اجتماع پر لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب امام ترمذی نے حدیث حسن میں اس بات کا اعتبار کیا ہے کہ وہ کئی سندوں سے مروی ہو تو وہ حدیث حسن ہونے کے ساتھ غریب کیسے ہو سکتی ہے؟
جواب اوّل : محدثین اس اعتراض کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حدیث حسن میں کئی سندوں سے مروی ہونے کا اعتبار مطلقاً نہیں بلکہ اس کی ایک خاص قسم میں ہے یعنی اس حدیث میں جس میں حسن کے ساتھ صحت یا غرابت کا وصف مذکور نہ ہو اور جس حدیث کو وہ حسن اور غریب دونوں بتاتے ہیں اس سے ان کی مراد حسن کی ایک خاص قسم ہوتی ہے جس میں تعدُّدِ طرق کا لحاظ نہیں ہوتا۔
جواب دوم: بعض محدثین کہتے ہیں کہ امام ترمذی نے اس سے اس حدیث کے مختلف

سندوں سے مروی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ ایک سند کے اعتبار سے یہ غریب ہے اور دوسری کے اعتبار سے حسن۔

جواب سوم: اس میں واو "أوْ" کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ انھیں اس بارے میں شک ہے کہ یہ حدیث غریب ہے یا حسن۔ کیونکہ انھیں یقین کے ساتھ اس کا علم نہ ہوسکا۔

جواب چہارم: یہاں حسن سے اس کا اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہے، یعنی "وہ حدیث جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو" مگر یہ قول بعید از قیاس ہے۔

فصل ثانی عشر

حدیث صحیح اور حسن سے استدلال: ☆ حدیث صحیح سے احکام میں استدلال بالاجماع جائز و درست ہے۔ ☆ یوں ہی اکثر علما کے نزدیک حدیث حسن لذاتہ سے بھی استدلال ہوسکتا ہے یہ اس سلسلے میں حدیث صحیح کے ساتھ ملحق ہے اگر چہ رتبہ میں اس سے کم ہے۔ ☆ اور وہ حدیث ضعیف جو کئی سندوں سے مروی ہونے کی بنا پر حسن لغیرہ کے رتبہ کو پہنچ گئی ہو اس سے استدلال پر بھی سب کا اجماع ہے۔

حدیث ضعیف سے استدلال: یہ جو مشہور ہے کہ حدیث ضعیف صرف فضائل اعمال میں معتبر ہے اس کے علاوہ احکام وغیرہ میں نہیں۔ اس سے مراد اس کے مفردات ہیں، مجموعہ نہیں۔ یعنی احکام میں وہ حدیث ضعیف معتبر نہیں جو ایک سند سے مروی ہو، مگر وہ حدیث ضعیف جو متعدد سندوں سے مروی ہو وہ فضائل اعمال کے ساتھ احکام میں بھی معتبر ہے کیونکہ وہ حسن کے زمرہ میں داخل ہے نہ کہ ضعیف کے۔ محدثین نے اس کی صراحت کی ہے۔ ☆ بعض محدثین نے کہا کہ اگر حدیث یوں ضعیف ہو کہ اس کے راوی میں سچائی اور دیانت داری کے باوجود سوے حفظ، یا اختلاط، یا تدلیس پائی جاتی ہے تو تعدد طُرق سے اس کا ضعف ختم ہو جائے گا اور وہ حدیث حسن ہو جائے گی، اور اگر حدیث یوں ضعیف ہو کہ اس کے راوی پر اتہام کذب ہے، یا اس میں شذوذ ہے یا فحش غلط ہے تو اس کا ضعف تعدد طرق سے ختم نہ ہوگا

اور حسن کے زمرہ میں داخل نہ ہوگی بلکہ اس پر ضعیف ہی ہونے کا حکم لگایا جائے گا، تاہم فضائل اعمال کے باب میں وہ ضرور معتبر ہوگی۔

اس قسم کی ضعیف حدیثوں پر یہ قول ضعیف محمول کیا جائے۔ " لحوق الضعیف بالضعیف لا یفید قوۃ " (کہ ایک حدیث ضعیف کے ساتھ دوسری ضعیف کے ملنے سے اس میں کوئی قوت پیدا نہیں ہوتی) اور اگر یہ مراد نہ ہو تو اس قول کا لغو ہونا بالکل ظاہر و آشکارا ہے۔ ویسے تم بھی اس میں غور کرلو۔

فصل ثالث عشر

احادیث سے استدلال کی کیفیت

جن چیزوں کا اثبات حدیث سے مقصود ہوتا ہے ان کی چار قسمیں ہیں:

(۱) عقائد قطعیہ : جیسے توحید، رسالت، قرآن کا کتاب اللہ ہونا، ان کا ثبوت حدیث متواتر سے ہی ہوگا خواہ اس کا تواتر لفظی ہو یا معنوی، اخبارِ آحاد اس باب میں معتبر نہیں، اگرچہ ان کی سند قوی ہو اور وہ صحت کی انتہا تک پہنچی ہوں۔

علامہ تفتازانی شرح عقائد میں فرماتے ہیں:

خبر الواحد على تقدير اشتماله على جميع الشرائط المذكورة في أصول الفقه لا يفيد الا الظن ولا عبرة بالظن في باب الاعتقادات (۱)	خبرِ واحد اگرچہ تمام شرائطِ صحت کی جامع ہو ظن ہی کا فائدہ دیتی ہے۔ اور باب اعتقادات میں ظن کا کچھ بھی اعتبار نہیں۔

(۲) عقائد ظنیہ: جیسے احوالِ قبر، میزانِ اعمال وغیرہ ان کا ثبوت خبر واحد سے بھی ہوتا ہے۔ (۲)

(۳) احکام: ان کے ثبوت کے لیے حدیث کا صحیح یا کم از کم حسن لغیرہ ہونا ضروری ہے،

---

(۱) شرح العقائد النسفیہ، بحث تعداد الأنبیاء، ص/۱۰۱، مطبوعہ دار الاشاعۃ العربیۃ، قندھار

(۲) نزہۃ القاری، ج/۱، ص/۴۳، مطبوعہ دائرۃ البرکات، گھوسی، مئو، انڈیا

حدیث ضعیف سے ان کا ثبوت نہ ہوگا۔(۱) ــــــــ ہاں! کبھی احکام میں بھی احادیث ضعاف بطور سند کام آتی ہیں جب کہ جانب احتیاط میں ہوں۔

امام نووی "اذکار" میں، امام شمس الدین سخاوی فتح المغیث میں اور امام شہاب الدین خفاجی " نسیم الریاض "میں فرماتے ہیں:

أما الأحكام كالحلال والحرام و البيع والنكاح والطلاق وغير ذلك فلا يعمل فيها الا بالحديث الصحيح و الحسن الا أن يكون في احتياط في شيئ من ذلك، كما اذا ورد حديث ضعيف بكراهية بعض البيوع أو الأنكحة فان المستحب أن يتنزه عنه ولكن لا يجب۔ (۲)	حلال وحرام، بیع، نکاح وطلاق وغیرہا احکام کے بارے میں صرف حدیث صحیح یا حسن ہی پر عمل کیا جائے گا مگر یہ کہ ان مواقع میں کسی احتیاطی بات کے بارے میں ہو جیسے کسی بیع یا نکاح کی کراہت میں حدیث ضعیف آئے تو مستحب ہے کہ اس سے بچیں، ہاں واجب نہیں۔

امام جلال الدین سیوطی تدریب الراوی میں فرماتے ہیں:

يعمل بالضعيف أيضا في الأحكام اذا كان فيه احتياط ۔ (۳)	ضعیف پر احکام میں بھی عمل کیا جائے گا جب کہ اس میں احتیاط ہو۔

(۴) **فضائل و مناقب**: فضائلِ اعمال وفضائلِ اشخاص میں علما حدیث ضعیف کو بالاتفاق معتبر مانتے ہیں۔ مثلاً کسی حدیث میں ایک عمل کی ترغیب آئی کہ جو ایسا کریگا اتنا ثواب پائے گا، یا کسی نبی یا صحابی کی خوبی بیان ہوئی کہ انھیں اللہ عزوجل نے یہ مرتبہ بخشا، یہ فضل عطا کیا تو اس کو مان لینے کے لیے حدیث ضعیف بھی کافی ہے۔ ایسی جگہ صحتِ حدیث میں کلام کرکے اسے پایۂ اعتبار سے ساقط کرنا جہالت ہے اور فرقِ مراتب نہ جاننے کی

---

(۱) فتاویٰ رضویہ ، ج/۲ ، ص /۴۵۱ ـ مطبوعہ آرام باغ روڈ ، کراچی ، پاکستان

(۲) نسیم الریاض شرح الشفا ، تتمۃ وفائدۃ مہمۃ فی شرح الخطبۃ ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، لبنان

(۳) تدریب الراوی ، النوع الثانی والعشرون ، ص/۱۹۷ ، المکتبۃ العلمیہ ، مدینہ منورہ

علامت۔ (۱)

امام شیخ الاسلام ابوزکریا نفعنا اللہ ببرکاتہ۔ کتاب الاذکار المنتخب من کلام سید الابرار ﷺ میں فرماتے ہیں:

قال العلماء من المحدثین والفقہاء وغیرھم یجوز و یستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعاً۔ (۲)

محدثین و فقہا وغیرہم علما نے فرمایا کہ فضائل، ترغیب و ترہیب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز و مستحب ہے جب کہ موضوع نہ ہو۔

رہ گئی حدیث موضوع تو یہ کسی باب میں معتبر نہیں، حتی کہ علم کے بعد اس کی موضوعیت ظاہر کیے بغیر اس کا بیان کرنا بھی جائز نہیں۔

فصل رابع عشر

اصح الکتب: چونکہ صحاح کے درجات میں باہم فرق و تفاوت ہے اور کتب صحاح میں کچھ کتابیں دوسری کی بنسبت زیادہ صحیح ہیں اس لیے جمہور محدثین کے نزدیک یہ بات طے ہے کہ صحیح بخاری کو فن حدیث کی دیگر تمام کتابوں پر فوقیت و برتری حاصل ہے، چنانچہ محدثین کا کہنا ہے۔" اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری " (قرآن کریم کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب، صحیح بخاری ہے) البتہ بعض علماے مغرب صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر فوقیت دیتے ہیں حافظ ابو علی نیشاپوری نے کہا کہ " صحیح مسلم سے بڑھ کر آسمان کے نیچے کوئی کتاب نہیں" جہاں تک صحیح مسلم کی بخاری پر فوقیت کا مسئلہ ہے تو اس کے بارے میں جمہور محدثین کہتے ہیں کہ یہ فوقیت حسن بیان، خوبی ترتیب اور سندوں میں دقیق اشارات اور عمدہ نکات کی رعایت کے اعتبار سے ہے جو یہاں خارج از بحث ہے، یہاں پر گفتگو تو صحت و

(۱) فتاوی رضویہ ، ج/۲ ، ص/۴۵۱ ، مطبوعہ کراچی، پاکستان

(۲) کتاب الاذکار، فصل قال العلماء من المحدثین، ص/۷، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، بیروت، لبنان

قوت اور ان سے متعلق امور کے بارے میں ہے، اور اس خصوص میں کوئی کتاب صحیح بخاری کے ہم پلہ نہیں، اس لیے کہ اس کے رجال میں صحت حدیث کی صفات کامل طور پر پائی جاتی ہیں۔ اور بعض حضرات ان میں ایک کو دوسری پر فوقیت دینے میں توقف کرتے ہیں، مگر صحیح اور حق یہی ہے کہ بخاری کو مسلم پر فوقیت حاصل ہے۔

مُتَّفق علیہ : وہ حدیث ہے جس کو امام بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہو، امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شرط بھی لگائی کہ وہ دونوں کے یہاں ایک ہی صحابی سے مروی ہو۔

تعداد: محدثین نے کہا کہ متفق علیہ احادیث کی کل تعداد دو ہزار تین سو چھبیس (۲۳۲۶) ہے۔

احادیث صحیحہ کے مراتب : (۱) سب سے بلند پایہ وہ حدیثیں ہیں جنھیں امام بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا۔ (۲) پھر وہ حدیثیں جن کو صرف امام بخاری نے روایت کیا۔ (۳) پھر وہ جن کو امام مسلم نے روایت کیا۔ (۴) پھر وہ حدیثیں جو دونوں کی شرط پر ہوں۔ (۵) پھر وہ جو صرف بخاری کی شرط پر ہوں۔ (۶) پھر وہ جو صرف مسلم کی شرط پر ہوں۔ (۷) پھر وہ حدیثیں جن کو بخاری و مسلم کے سوا دیگر محدثین نے صحت کا التزام کرتے ہوئے روایت کیا اور ان کی تصحیح کی۔ اس لحاظ سے یہ کل سات قسمیں ہوئیں۔

بخاری و مسلم کی شرط پر ہونے کا مطلب : بخاری و مسلم کی شرط پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے راوی انھیں صفات سے متصف ہوں جو ان دونوں کے راویوں میں پائی جاتی ہیں یعنی ان میں ضبط و عدالت پائی جاتی ہو اور وہ شذوذ و نکارت اور غفلت سے پاک ہوں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ بخاری و مسلم کی شرط سے مراد یہ ہے کہ اس کے راوی وہ ہوں جو بخاری و مسلم کے راویوں میں سے ہیں۔ اس مسئلہ میں بہت لمبی بحث ہے جس کو شیخ محقق دہلوی نے "شرح سفر السعادۃ" کے مقدمہ میں بیان فرمایا ہے۔

کیا احادیث صحیحہ ، بخاری و مسلم میں منحصر ہیں ؟ :

احادیث صحیحہ بخاری و مسلم میں منحصر نہیں اور نہ ہی ان دونوں نے تمام احادیث صحیحہ کا احاطہ کر لیا ہے ہاں ان دونوں کی بیش تر حدیثیں صحیح ہیں۔ جو حدیثیں ان کی شرط پر صحیح ہونے کے

ساتھ ساتھ ان کے نزدیک بھی صحیح ہیں ان سب کو تو انہوں نے اپنی صحاح میں جمع نہیں کیا، تو
ان حدیثوں کا کیا ذکر جو دیگر محدثین کے نزدیک صحیح ہیں۔
خود امام بخاری فرماتے ہیں: ''میں نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں صرف صحیح
حدیثیں ہی ذکر کی ہیں اور بہت سی احادیث صحیحہ میں نے چھوڑ بھی دی ہیں۔''
امام مسلم کہتے ہیں: ''میں نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں جن حدیثوں کو ذکر کیا ہے وہ تو
سب کی سب صحیح ہیں مگر میں نہیں کہتا کہ میری چھوڑی ہوئی ساری حدیثیں ضعیف ہیں۔''
البتہ بعض صحیح احادیث کو چھوڑ دینے اور بعض کو روایت کرنے کی کوئی وجہ ضرور ہوگی
ان کا ذکر یا صحت کی بنا پر ہے یا اور مقاصد کی بنا پر۔

فائدہ : احادیث صحاح کا انحصار صرف صحاح ستہ میں نہیں، اور نہ احادیث کا حصر کتب مُصَنَّفہ میں ہے، صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں بھی صحیح احادیث ہیں۔ اس کا بھی امکان ہے کہ بہت سی صحیح احادیث تدوین سے رہ گئی ہوں امام بخاری کو چھ لاکھ احادیث یاد تھیں، مگر ان کی جامع صحیح میں بمشکل چار ہزار حدیثیں ہوں گی۔ اور احادیث کیا ہوئیں؟ اسی پر دوسرے محدثین کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے، کسی محدث نے کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں نے تمام احادیث کسی کتاب میں جمع کر دی ہیں، اور نہ کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ اسے تمام احادیث بالاستیعاب یاد ہیں، اس لیے بہر حال اس کا امکان قوی ہے کہ حضرات محدثین کی ہزار کوششوں کے باوجود لاکھوں احادیث تدوین سے رہ گئی ہوں۔

چند دیگر کتب صحاح

مُستَدرَک حاکم : حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام انھوں نے "مستدرك" رکھا۔ اس لیے کہ امام بخاری و مسلم نے جن احادیث کو چھوڑ دیا ہے۔ انھوں نے ان احادیث کو اس کتاب میں جمع کر کے اس کمی کو پورا کر دیا ہے، ان میں کچھ تو وہ حدیثیں ہیں جو شیخین کی شرط پر ہیں، کچھ ان میں سے کسی ایک کی شرط پر، اور بعض وہ احادیث صحیحہ ہیں جو ان کے علاوہ کسی اور محدث کی شرط پر ہیں۔

وہ خود فرماتے ہیں۔" بخاری و مسلم نے یہ تو نہیں کہا کہ ہم نے اپنی کتابوں میں جن احادیث کی تخریج کی ہے ان کے علاوہ صحیح حدیثیں ہیں ہی نہیں۔"

آگے لکھتے ہیں:

"ہمارے زمانے میں بدمذہبوں کی ایک نئی جماعت پیدا ہوئی جس نے ائمۂ دین پر زبان طعن دراز کرتے ہوئے کہا کہ "جو حدیثیں تمہارے نزدیک صحیح ہیں ان کی تعداد تو دس ہزار کی حد تک بھی نہیں پہنچی۔ امام بخاری سے منقول ہے کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں۔ ظاہر یہی ہے کہ اس سے مراد وہی حدیثیں ہیں جو ان کی شرط پر صحیح ہیں حالانکہ جو حدیثیں انھوں نے اس کتاب میں ذکر کی ہیں ان کی تعداد مکرّرات کو لے کر سات ہزار دو سو پچہتر (۷۲۷۵) اور بعد حذف مکرّرات چار ہزار (۴۰۰۰) ہے" اس سے ظاہر ہو گیا کہ صحیح بخاری میں مکرّر احادیث کل تین ہزار دو سو پچہتر (۳۲۷۵) ہیں۔

صحیح ابن خزیمہ : حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری کے علاوہ دیگر ائمۂ حدیث نے بھی کتب صحاح تصنیف کی ہیں جیسے ابن خزیمہ کی صحیح جنھیں امام الائمہ کہا جاتا ہے یہ ابن حبان کے شیخ ہیں۔

ابن حبان ان کی تعریف و توصیف میں یوں گویا ہیں۔

"میں نے فن حدیث میں ان سے بڑھ کر اور احادیث کے الفاظ صحیحہ کا ان سے زیادہ حافظ روے زمین پر کوئی شخص نہیں دیکھا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ساری حدیثیں ان کی نظروں کے سامنے ہیں۔"

صحیح ابن حِبّان: اس کے مصنف ابن حبان، ابن خزیمہ کے شاگرد ہیں جو ثقہ، ثبت، فاضل، امام اور احادیث کی بہتر سمجھ رکھتے تھے۔

حاکم ان کے بارے یوں رقم طراز ہیں۔

"ابن حبان علم لغت، حدیث اور وعظ کے خزانۂ عامرہ تھے۔ اور اپنے عہد کے ایک عظیم دانشور تھے۔" ان کا نام محمد، کنیت ابو حاتم، اور شجرۂ نسب یہ ہے " محمد بن حبان بن معاذ بن معبد تمیمی بُستی "۔ بُست، سیستان کا ایک شہر ہے اسی کی طرف نسبت سے بُستی

کہلاتے ہیں۔انھوں نے امام نسائی،ابو یعلیٰ موصلی،حسن بن سفیان اور ابو بکر بن خزیمہ سے علم حدیث حاصل کیا،خود انھوں نے اپنی کتاب" التقاسیم والأنواع " میں لکھا ہے: میرا اندازہ ہے کہ میں نے دو ہزار مشائخ سے علم حدیث حاصل کر کے لکھا ہے۔(۱) ان کی اس کتاب کو تقاسیم وانواع بھی کہتے ہیں،اس کی ترتیب بالکل نئے طرز کی ہے،نہ تو مبوّب بابواب ہے اور نہ مسانید صحابہ اور معاجم شیوخ کی طرح ہے۔اس میں سب سے پہلے اقسام کو ذکر کرتے ہیں پھر ان اقسام کی انواع بیان کرتے ہیں۔(۲)

صحیح حاکم: ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری،حافظ اور ثقہ ہیں،ان کی کتاب کا نام "مستدرک" ہے۔ اس میں ان سے غفلت اور تساہل واقع ہوا ہے محدثین نے اس پر گرفت کی ہے،چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ " ابن خزیمہ اور ابن حبان،حاکم سے بلند رتبہ اور قوی حافظہ ہیں،اسانید ومتون کے لحاظ سے بھی ان سے بہتر اور باریک بیں ہیں۔"

المختارۃ: اس کے مصنف حافظ ضیاء الدین مقدسی ہیں ،انھوں نے اپنی اس کتاب میں ان احادیث کی تخریج کی ہے جو صحیحین میں نہیں ہیں،اس کتاب کے تعلق سے محدثین کا کہنا ہے کہ یہ " مستدرک " سے بہتر ہے۔

دیگر کتب صحاح : دیگر کتب صحاح مثلاً صحیح ابن عوانہ، صحیح ابن السکن،المنتقیٰ لابن الجارود میں صرف احادیث صحیحہ ہی مذکور ہیں،پھر بھی بعض محدثین نے بنظر تعصب یا بنظر انصاف ان پر نقد وجرح کی ہے۔ وفوق کل ذی علم علیم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

صحاح ستہ : مذہب اسلام کی چھ مشہور ومعروف اور معتمد کتابیں ہیں جنھیں "صحاح ستہ" کہا جاتا ہے یہ ہیں۔(۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) جامع ترمذی (۴) سنن ابوداؤد (۵) سنن نسائی (۶) سنن ابن ماجہ،اور بعض محدثین کے نزدیک سنن ابن ماجہ کے بجائے مؤطا امام مالک۔صاحب جامع الاصول علامہ ابن اثیر نے اسی کو

---

(۱) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ، بستان المحدثین مترجم ،ص/ ٦٦

(۲) ایضاً ، ص/ ٦٨

اختیار کیا ہے۔

نوٹ: ان سبھی کتابوں میں صحیح، حسن، ضعیف ہر قسم کی حدیثیں ہیں، ان کو صحاح ستہ بطور تغلیب کہا جاتا ہے صحیح بخاری وصحیح مسلم کو " صحیحین " کہا جاتا ہے محدثین جہاں " رواہ الأربعة " کہتے ہیں وہاں ان کی مراد صحیحین کے سوا بقیہ صحاح ہوتی ہیں۔

المنتقیٰ: یہ کتاب گویا صحیح ابن خزیمہ پر مستخرج ہے، اس میں صرف اصول احادیث پر اکتفا کیا ہے۔ اس کے مصنف کا نام عبداللہ، کنیت ابو محمد، اور شجرۂ نسب یہ ہے " عبداللہ بن علی بن جارود "۔(۱)

اصطلاح علامہ بغوی: صاحب مصابیح علامہ بغوی نے شیخین (امام مسلم و بخاری) کے علاوہ دیگر محدثین کی تخریج کردہ حدیثوں کو " حسن " کہا ہے یہ اصطلاح بھی تغلیبا ہے۔ اور معنی لغوی سے قریب ہے۔ یا تو یہ ان کی جدید اصطلاح ہے جو محدثین کی مشہور اصطلاح سے مختلف ہے۔

سنن دارمی: بعض محدثین کا قول ہے کہ سنن دارمی کو صحاح ستہ میں سے چھٹی کتاب قرار دیا جائے۔ کیونکہ اس کے بہت کم راوی ضعیف ہیں، اور اس میں شاذ و منکر روایتیں بھی بہت کم ہیں، اس کی سندیں بھی عالی ہیں، اور اس کی ثلاثیات(۲) ثلاثیات بخاری سے زیادہ ہیں، امام دارمی کا اصل نام محمد، کنیت ابو محمد اور شجرۂ نسب یوں ہے " عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن فضل بن بہرام بن عبدالصمد تمیمی دارمی سمرقندی " امام بخاری، نضر بن شمیل، یزید بن ہارون جیسے بلند پایہ محدثین سے حدیث روایت کی، امام مسلم، ابو داؤد، ترمذی جیسے ائمۂ حدیث آپ کے سلسلۂ تلامذہ میں داخل ہیں۔(۳) آپ کے شاگرد عبداللہ اپنے والد امام

---

(۱) بستان المحدثین مترجم، ص/۱۳۸

(۲) **ثلاثیات**: وہ احادیث ہیں جن میں صرف تین واسطے ہوں۔ نفیس احمد مصباحی

(۳) مرقاۃ المفاتیح ، ج/۱ ، ص/۲۳

احمد بن حنبل سے روایت کرتے ہیں کہ " خراسان میں علمِ حدیث کے حافظ چار ہیں۔ ابوزرعہ رازی، محمد اسماعیل بن بخاری، عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی سمرقندی، حسن بن شجاع بلخی۔"(۱) ۱۸۱ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۵۵ھ میں پنجشنبہ عرفہ کے دن اس دارفانی سے کوچ کیا۔

فائدہ:۔ مذکورہ بالا کتب فنِ حدیث کی نہایت مشہور اور بلند پایہ کتابیں ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مشہور و معروف کتابیں ہیں۔

جمع الجوامع: حافظ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب " جمع الجوامع " میں پچاس سے زائد کتابوں سے حدیثیں جمع کی ہیں جن میں صحیح، حسن، ضعیف ہر قسم کی حدیثیں ہیں، البتہ موضوع کے ذکر سے احتراز کیا ہے وہ خود لکھتے ہیں۔ " میں نے خود اس میں کوئی موضوع حدیث ذکر نہیں کی جس کو تمام محدثین نے یکسر رد کر دیا ہو " واللہ اعلم۔

الاکمال بذکر أسماء الرجال :۔ صاحب مشکوٰۃ علامہ خطیب تبریزی نے اپنی کتاب مشکوٰۃ المصابیح کے دیباچہ میں جن قابل اعتماد محدثین کا ذکر کیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔ (۱) امام بخاری (۲) امام مسلم (۳) امام مالک (۴) امام شافعی (۵) احمد بن حنبل (۶) امام ترمذی (۷) ابوداؤد (۸) نسائی (۹) ابن ماجہ (۱۰) دارمی (۱۱) دارقطنی (۱۲) بیہقی (۱۳) رزین۔ رحمھم اللہ تعالیٰ۔ اور ان کے علاوہ بہت سے محدثین کا اجمالاً تذکرہ کیا ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے مذکورہ بالا محدثین کے حالات " الاکمال بذکر أسماء الرجال " نامی کتاب میں لکھے ہیں یہ کتاب اس " الاکمال فی اسماء الرجال " کے علاوہ ہے جو کہ صاحب مشکوٰۃ المصابیح شیخ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی کی تصنیف ہے اور ایک زمانہ سے مشکوٰۃ المصابیح کے ساتھ شائع ہو رہی ہے، یہ کتاب مختصر مگر جامع اور مفید ہے۔

☆☆☆

---

(۱) بستان المحدثین ، ص/۷۵

فصل خامس عشر

اقسام کتب احادیث

تدوین کی نوعیت کے اعتبار سے کتب حدیث کی چند قسمیں ہیں۔ جامع، سنن، مُسند، مُعجم، جُز، مفرد، غریبہ، مستدرک، مستخرج، رسالہ، اربعین، امالی، اطراف، عِلَل، مجمع، زوائد، مصنّف و موطا۔

(۱) **جامع**: وہ کتاب ہے جس میں درج ذیل آٹھ مضامین کی حدیثیں جمع کی گئی ہوں۔
(۱) عقائد (۲) احکام (۳) تفسیر (۴) سِیَر و مغازی (۵) آداب (۶) مناقب (۷) فتن (۸) اشراط و علامات قیامت۔ جیسے بخاری و ترمذی۔ صحیح مسلم میں اگرچہ یہ آٹھوں باتیں ہیں مگر تفسیر برائے نام ہے اس لیے یہ جامع نہیں بلکہ سنن میں داخل ہے۔

(۲) **سُنَن**: وہ کتاب ہے جس میں ابوابِ فقہ کی ترتیب سے احکام سے متعلق احادیث ہوں، ان میں عقائد، مناقب، غزوات اور تفسیر وغیرہ سے متعلق احادیث نہیں ہوتیں اور عموماً مرفوع احادیث ہی مذکور ہوتی ہیں۔ جیسے سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن بیہقی، سنن دارمی وغیرہ۔

(۳) **مُسند**: وہ کتاب ہے جس میں ہر ہر صحابی سے منقول روایات یکجا ذکر کی گئی ہوں، خواہ صحابی کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے ہو یا ان کے باہمی مراتب و فضائل کے اعتبار سے۔ ایسی کتب حدیث کی تعداد سو سے زائد ہے جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

مسند امام احمدبن حنبل، مسند حُمَیْدِی، مسند ابو داؤد طیالسی، مسند عبد بن حمید۔

کبھی محض مرفوع حدیثوں کی جامع کتاب کو بھی "مسند" کہہ دیا کرتے ہیں۔ جیسے مسند بقی بن مخلد اندلسی۔

(۴) **مُعجَم**: وہ کتاب ہے جس میں حروف تہجی کی رعایت رکھتے ہوئے راویانِ حدیث کی روایات کو جمع کیا گیا ہو۔ خواہ ان راویوں میں صحابہ کا لحاظ ہو یا اپنے اساتذہ یا کسی خاص

شہر کے محدثین وشیوخ کا۔ جیسے امام طبرانی کے تینوں معاجم۔ یعنی "المعجم الکبیر" جس میں صحابہ کے اسما کی رعایت ہے۔ "المعجم الاوسط" اور "المعجم الصغیر" ان دونوں میں شیوخ کی رعایت کی گئی ہے۔

اگر مشائخ کا ذکر حروف تہجی کے اعتبار سے نہ کیا جائے تو اسے معجم کے بجائے "مَشْیَخَہ" کہتے ہیں جیسے مشیخۂ عبداللہ بن حیدر قزوینی۔

(۵) **جزء**:۔ وہ کتاب ہے جس میں کسی ایک راوی کی تمام روایات یا کسی ایک موضوع و پہلو سے متعلق تمام احادیث کو جمع کیا گیا ہو، اول: جیسے ابو معشر عبدالکریم طبری (م ۴۷۸ھ) کی "جزء ماروا ہ ابو حنیفۃ عن الصحابۃ" دوم: جیسے امام بخاری کی "جزء رفع الیدین فی الصلوٰۃ" اور "جزء القراءۃ خلف الامام"۔

(۶) **مفرد**: وہ کتاب ہے جس میں صرف ایک شیخ کی مرویات جمع ہوں جیسے کتاب الافراد لدارقطنی۔

(۷) **غریبہ**: وہ کتاب ہے جس میں صرف ایک تلمیذ کے مفردات مذکور ہوں جیسے غرائب مالك۔

(۸) **مُسْتَدْرَک**: وہ کتاب جس میں کسی خاص کتاب کے مصنف کی رعایت کردہ شرائط کے مطابق رہ جانے والی احادیث جمع کی گئی ہوں جیسے ابو عبداللہ حاکم کی المُسْتَدْرَك علی الصحیحین۔

(۹) **مُسْتَخْرَج**: وہ کتاب ہے جس میں کسی اور کتاب کی احادیث کے ثبوت کے لئے اس کتاب کے مصنف کے شیخ یا شیخ الشیخ کی دوسری سندوں کو ذکر کیا جائے۔ اس طرح کی کتابوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ صحیحین سے متعلق ہی دس ہیں اور دوسری کتب سے متعلق مزید۔ مثلاً بخاری سے متعلق "مستخرج اسماعیلی"۔ مسلم سے متعلق "مستخرج اسفرائینی"۔ صحیحین سے متعلق "مستخرج ابی نعیم اصبہانی"۔ ابو داؤد سے متعلق "مستخرج قاسم بن اصبغ"۔

(۱۰) **رسالہ**: وہ کتاب ہے جس میں جامع کے آٹھوں عنوانوں میں سے مخصوص عنوان سے متعلق

احادیث مذکور ہوں جیسے امام احمد کی "کتاب الزھد و الأدب" اور امام بخاری کی " الأدب المفرد"۔

(۱۱) **اربعین**: وہ کتاب ہے جس میں کسی ایک باب و مسئلہ سے متعلق یا چند ابواب و مسائل سے متعلق چالیس احادیث جمع کی گئی ہوں جیسے اربعین نووی۔

(۱۲) **امالی**: وہ کتاب ہے جس میں کسی شیخ کی لکھائی ہوئی احادیث یا فوائد حدیث ہوں جیسے أمالي الامام محمد۔

(۱۳) **أطـــــراف**: وہ کتاب ہے جس میں حدیث کا کوئی ایسا جز ذکر کیا جائے جو بقیہ حدیث پر دلالت کرتا ہو پھر اس حدیث کی تمام سندوں کو ذکر کیا جائے، یا اس میں کچھ مخصوص کتابوں کی سندیں ذکر کی جائیں جیسے " أطراف الكتب الخمسة لأبي العباس " اور أطراف المزی"۔

(۱۴) **علل**: وہ کتاب ہے جس میں محض ان احادیث کو جمع کیا گیا ہو جس میں کسی قسم کا سقم بتایا جاتا ہے اور ان اسقام کا بھی بیان ہو جیسے " علـل ابن أبي حـاتـم "اور" عـلـل دارقطني"۔

(۱۵) **مجمع**: وہ کتاب ہے جس میں حدیث کی کئی کتابوں کو جمع کر دیا گیا ہو جیسے حسن بن محمد صنعانی (م،۶۵۰ھ) کی مشارق الانوار النبوية جو کہ صحیحین کی جامع ہے، ابوالحسن احمد بن رزین اندلسی (م،۵۳۵ھ) کی" التجريد للصحاح و السنن " جو کہ ابن ماجہ کو چھوڑ کر بقیہ صحاح ستہ اور مؤطا امام مالک کی جامع ہے۔ ابن اثیر (م۶۰۶ھ) کی" جامع الأصول من أحاديث الرسول " بھی التجرید کی طرح ہے۔ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی (م،۱۰۹۴ھ) کی" جمع الفوائد من جامع الأصول والزوائد "جو کہ چودہ اہم کتابوں کی جامع ہے۔ اسی سلسلے کی ایک اہم کتاب امام جلال الدین سیوطی (م۹۱۱ھ) کی " جمع الجوامع " ہے جس میں ان کا ارادہ پچاس سے زائد کتب کی احادیث جمع کرنے کا تھا مگر اسے مکمل نہ کر سکے اس کا دوسرا نام " الجامع الكبير " بھی ہے۔

(۱۶) **زوائد**: وہ کتاب ہے جس میں کسی کتاب کی ان احادیث کو جمع کیا گیا ہو جو دوسری کتابوں سے زائد ہوں جیسے ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری (م ۸۴۰ھ) کی" مصباح

الزجاجة في زوائد ابن ماجة " اورانھیں کی " اتحاف السادة المهرة الخيرة "۔ اول الذکر میں ابن ماجہ کی وہ احادیث مذکور ہیں جو باقی صحاح ستہ میں مذکور نہیں اور آخر الذکر میں دس اہم مسانید میں صحاح ستہ سے زائد ذکر کردہ احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔

(۱۷) **مُصَنَّف و مُؤَطَّا**: وہ کتاب ہے جس کی ترتیب ابواب فقہ کے مطابق ہو اور اس میں احادیث مرفوعہ کے ساتھ موقوف و مقطوع احادیث بھی جمع کی گئی ہوں جیسے مُصَنف أبي بكر يعقوب بن أبي شيبه، مصَنف عبد الرزاق، مؤطا امام مالك اور مؤطا ابن أبي ذئب.

﴿فصل سادس عشر﴾

کتب حدیث کے طبقات

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتب حدیث کے چار طبقات قائم کیے ہیں۔

طبقۂ اولیٰ: وہ کتابیں جو سب سے زیادہ صحیح و مشہور و مقبول ہوں جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطا امام مالک۔

طبقۂ ثانیہ: وہ کتابیں جو پہلے طبقے کے قریب قریب صحیح اور مشہور و مقبول ہوں مگر ان میں ضعیف احادیث کا تناسب پہلے طبقے سے زیادہ ہو جیسے جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن نسائی۔

طبقۂ ثالثہ: امام بخاری، امام مسلم سے پہلے یا ان کے ہم زمانہ یا زمانہ قریب کے مسلّم الثبوت اور ماہر محدثین کی کتابیں۔ مگر ان کتابوں میں طبقۂ ثانیہ کی بہ نسبت زیادہ ضعیف حدیثیں ہیں۔ بلکہ ان میں ایسی حدیثیں بھی ہیں جنھیں موضوع تک کہا گیا ہے۔ جیسے مسند امام شافعی، سنن ابن ماجہ، مُصَنَّف عبد الرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، سنن داری، سنن دار قطنی، سنن بیہقی، طبرانی اور ابو داؤد طیالسی کی مُصَنَّفات۔

طبقۂ رابعہ: وہ کتابیں جو امام بخاری و امام مسلم کے بعد کے محدثین کی ہیں جن میں مذکور احادیث کا قرون سابقہ میں ثبوت نہیں ملتا، جیسے دیلمی، ابو نعیم، ابن عساکر اور حاکم کی تصانیف۔

ان احادیث کے قرون سابقہ میں ثبوت نہ ملنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ متقدمین کو یہ احادیث نہیں ملیں، یا تو انھوں نے کسی علت قادحہ کی بنا پر ان احادیث کو لیا ہی نہیں۔

فائدہ: کتب حدیث کے ان طبقات کو قائم کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ بعد کے طبقات خصوصاً طبقۂ رابعہ کی احادیث باطل و نامقبول ہیں بلکہ اس کا مقصد صرف کتب حدیث کا ایک اجمالی تعارف ہے ورنہ طبقۂ رابعہ تک کی کتابوں میں حَسَن بلکہ صحیح احادیث بھی بکثرت موجود ہیں، خود شاہ ولی اللہ صاحب نے امام حاکم کی مستدرک کو طبقۂ رابعہ میں داخل مانا حالانکہ اس کی اکثر احادیث اعلیٰ درجہ کی صحیح و حسن ہیں بلکہ اس میں صدہا احادیث شیخین کی شرط پر ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی ان طبقات کو مانا ہے مگر یہی شاہ صاحب بستان المحدثین میں امام ذہبی سے ناقل ہیں:

"مُستدرک میں بہت کافی احادیث ان دونوں بزرگ یعنی بخاری و مسلم کی یا ان میں سے کسی ایک کی شرط پر ہیں بلکہ آدھی کے قریب ایسی ہی احادیث ہیں، اور چوتھائی ایسی ہیں کہ بظاہر صحیح الاسناد ہیں لیکن دونوں کی شرط پر نہیں، باقی چوتھائی واہیات و مناکیر بلکہ کچھ موضوعات بھی ہیں"

شاہ صاحب نے بستان میں ربع کتاب کے بارے میں "بظاہر صحیح الاسناد" لکھا مگر علامہ سیوطی نے تدریب میں امام ذہبی سے یہ نقل فرمایا:

"مستدرک حاکم کی بہت زیادہ احادیث شیخین کی شرط پر ہیں اور بہت سی دونوں میں سے کسی ایک کی شرط پر۔ چوتھائی کے قریب وہ ہیں جن کی سند صحیح ہے ان میں کچھ قدح یا علت ہے اور باقی چوتھائی مناکیر و واہیات ہیں، ان میں موضوع بھی ہیں"(۱)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حاکم کی مستدرک میں تین چوتھائی کے قریب صحیح احادیث ہیں،

---

(۱) تدریب الراوی ، ص / ۵۲

اس لیے ان طبقات کی تقسیم کا مطلب یہ لینا کہ بعد کے طبقات کی کل احادیث نا قابل قبول ہیں، کسی طرح صحیح نہیں۔ یہ بات ضرور اپنی جگہ درست ہے کہ طبقۂ رابعہ، ثالثہ بلکہ عند التحقیق طبقۂ ثانیہ تک میں ہر قسم کی احادیث کا اختلاط ہے ہر شخص صحیح وحسن کو ضعیف سے پرکھ نہیں سکتا، اس لیے ان کتابوں کے بارے میں ماہر ناقدین کی رائے معلوم ہونے کے بعد ہی اعتماد کرنا چاہیے۔ یہ حکم صرف طبقۂ رابعہ کا ہی نہیں بلکہ طبقۂ ثالثہ بلکہ طبقۂ ثانیہ کے لیے بھی ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ (۱۲۷۲ھ/۱۳۴۰ھ) نے اس موضوع پر ایک بہت ہی مفید و جامع رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کا نام " مدارج طبقات الحدیث " ہے اس میں ثابت فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ طبقات اربعہ کی تحدید نہ جامع ہے نہ مانع، نہ ناقد کو مفید نہ مقلد کو۔(۱)

﴿فصل سابع عشر﴾

بیان حدیث کے کلمات

الفاظ روایت آٹھ ہیں:

۱۔ سَمِعْتُ، حَدَّثَنِیْ (میں نے سنا، مجھ سے حدیث بیان کی۔)

۲۔ أَخْبَرَنِیْ ، قَرَأْتُ عَلَیْهِ (مجھے فلاں نے خبر دی، میں نے فلاں کے سامنے پڑھا۔)

۳۔ قُرِئَ عَلَیْهِ وَأَنَا أَسْمَعُ (فلاں کے سامنے یہ حدیث پڑھی گئی اور میں سن رہا تھا۔)

۴۔ أَنْبَأَنِی (فلاں نے مجھے خبر دی۔)

۵۔ نَاوَلَنِیْ (فلاں نے مجھے حدیث دی۔)

۶۔ شَافَهَنِیْ بِالْإِجَازَةِ (فلاں نے روبرو مجھے اس کی اجازت دی۔)

۷۔ کَتَبَ إِلَیَّ بِالْإِجَازَةِ (فلاں نے اجازت لکھ کر میرے پاس بھیجی۔)

---

(۱) مقدمۂ نزہۃ القاری ، ج/۱ ، ص/۴۶، ۴۷

۸۔ عَـنْ فُـلَانٍ، فلاں سے روایت ہے۔ یا اس طرح کے دوسرے الفاظ جن میں سماع وعدم سماع، اجازت وعدم اجازت دونوں کا احتمال ہے مثلاً، قَالَ، ذَكَرَ، رَوَى جب کہ ان کے ساتھ ضمائر متکلم مثلاً "لِي" یا "لَـنَـا" کا ذکر نہ ہو ورنہ یہ "حَـدَّثَـنَـا" کا مفہوم رکھے گا۔(۱)

استعمال کے مواقع

(۱) سَمِعْتُ، حَدَّثَنِيْ، اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب راوی تنہا شیخ سے وہ حدیث سنے۔
(۲) سَمِعْنَا، حَدَّثَنَا، اس کا استعمال اس وقت ہوتا ہے جب راوی اکیلے یا چند لوگوں کی موجودگی میں وہ حدیث اپنے شیخ سے سنے، اکیلے ہونے کی صورت میں ضمیر "نَا" عظمت کے لئے ہوگی۔ مگر تنہائی کی صورت میں عموماً ضمیر واحد کا استعمال ہوتا ہے ضمیر جمع کا استعمال اس صورت میں بہت کم ہے۔
(۳) الفاظ روایت میں لفظ "سَـمِـعْـتُ" راوی کی سماعت ثابت کرنے کے لئے "حَـدَّثَـنِي" سے زیادہ صریح ہے کیونکہ اس میں راوی اور شیخ کے درمیان کسی واسطے کا احتمال نہیں رہ جاتا، نیز "حَـدَّثَـنِـي" میں تدلیس کا بھی احتمال موجود رہتا ہے کیونکہ بطور تدلیس روایت کی صورت میں کبھی کبھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔
(۴) أَخْـبَـرَنِـي۔ قَرَأْتُ عَلَيْهِ: ان الفاظ کا استعمال اس وقت ہوتا ہے جب کہ راوی نے وہ حدیث تنہا شیخ کے سامنے پڑھی۔
(۵) أخبرنا، قَرَأْنَا عَلَيْهِ: جب راوی شیخ کے سامنے پڑھے اور باقی سب سن رہے ہوں۔
(۶) أَنْبَأَ: متقدمین کے نزدیک "أَخْبَرَ" کے مثل ہے مگر متاخرین "عن" کے مثل قرار دیتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) شرح نخبۃ الفکر مع حاشیہ عقد الدرر ، ص/۹۶
(۲) نزھۃ النظر ، ص/۹۶، ۹۷، ملخصاً

فائدہ: امام بخاری کا مسلک یہ ہے کہ قَالَ ، سَمِعَ، أَخْبَرَ، حَدَّثَ، أَنْبَأَ، رَوَىٰ سب ہم معنیٰ الفاظ ہیں ، یہی مذہب امام زہری ، امام مالک ، امام ابن عُیینہ ، یحییٰ بن سعید قطّان، امام اعظم ابوحنیفہ اور اکثر اہل حجاز و اہل کوفہ کا ہے، ابن حاجب نے اپنی مختصر میں اسی کو ترجیح دی۔ امام حاکم نے فرمایا یہی ائمۂ اربعہ کا مذھب ہے۔ مگر امام مسلم اور امام ترمذی وغیرہ کے یہاں ان کلمات میں تفریق ہے، یہ لوگ کہتے کہ اگر شیخ قراءت کرے اور تلمیذ سنے تو اسے "أَخْبَرَ" و "أَنْبَأَ" سے بیان کیا جاتا ہے، اور یہی امام ابن جریج، امام اوزاعی، امام شافعی، ابن وہب اور جمہور اہل مشرق کا مسلک ہے۔ امام بخاری نے اپنے مذھب کے ثبوت میں صحیح بخاری" کتاب العلم " میں مستقل ابواب باندھے ہیں۔(۱)

خاتمہ

فوائد متفرقہ کے بیان میں

کتابت حدیث کے آداب:

فائدہ (۱): حدیث لکھنے والے پر لازم ہے کہ پوری تحقیق و تفتیش اور حاضر دماغی کے ساتھ قواعدِ تحریر کی رعایت کرتے ہوئے اس طرح لکھے کہ ہر حرف کی شکل اور نقطے پورے طور پر نمایاں ہوں، اور مشکل الفاظ پر حرکات (زیر، زبر، پیش) بھی لگائے، خاص طور سے ناموں میں، اس لیے کہ ان کی حرکات کو سیاق و سباق سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہ سب احتیاط اس لیے ضروری ہے تا کہ پڑھنے والے کے لیے کسی قسم کا شبہہ اور التباس نہ باقی رہ جائے۔

بعض روایتوں میں وارد ہے کہ ایک لفظ کے نقطے اور اعراب میں غلطی کے ہی باعث نصاریٰ کفر میں مبتلا ہوے اللہ تعالیٰ نے انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

أَنْتَ نَبِيِّیْ وَلَّدْتُكَ مِنَ الْبَتُوْلِ۔ (تم میرے نبی ہو میں نے تمھیں بتول سے پیدا کیا۔)

تو نصاریٰ نے اس میں تبدیلی کر دی اور اسے یوں پڑھا۔

---

(۱) مقدمۂ نزھۃ القاری ، ج/۱ ، ص/۱۰۱

أَنْتَ بُنَيِّي وَلَدْتُكَ (۱) (تم میرے فرزند ہو اور تم کو میں نے پیدا کیا۔)

فائدہ (۲): اللہ عزوجل کے نام پاک کے ساتھ "عزو جلّ "۔یا۔"سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالیٰ "
لکھے اور حضور اکرم ﷺ کے نام اقدس کے ساتھ درود و سلام کے کلمات پورے لکھے،
صرف، "صلوٰۃ" یا "سلام" کے الفاظ یا "ص" و "صلعم" و "صللم" کا اشارہ اور اختصار
نہ لکھے کہ یہ سخت ناجائز ہے۔ پہلا وہ شخص جس نے درود شریف کا ایسا اختصار کیا اس کا ہاتھ کاٹا گیا
۔

یوں ہی صحابۂ کرام وعلمائے عظام کے ناموں کے ساتھ "رضی اللہ عنہ"۔
"رحمۃ اللہ تعالیٰ"۔ یا ۔" رحمۃ اللہ علیہ " لکھے۔(۲)

ان ذوات قدسیہ کے نام پاک کے ساتھ "رضی اللہ تعالیٰ عنہ " کی جگہ
" رض " لکھنا مکروہ و باعث محرومی ہے۔

علامہ سید احمد طحطاوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

يُكْرَهُ الرَّمْزُ بِالتَّرَضِّي بِالْكِتَابَةِ، بَلْ يُكْتَبُ ذٰلِكَ كُلُّهٗ بِكَمَالِهٖ۔

"رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کے لکھنے میں اختصار مکروہ ہے، اسے پورا پورا لکھا جائیگا۔

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

وَمَنْ أُغْفِلَ هٰذَا حُرِمَ خَيْرًا عَظِيْمًا وَفُوِّتَ فَضْلًا جَسِيْمًا۔

جو اس سے غافل ہوا خیر عظیم سے محروم رہا اور بڑا فضل اس سے فوت ہوا۔

یوں ہی "قُدس سرہٗ "یا"رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ " کی جگہ "ق "یا" رح " لکھنا
نادانی اور برکت سے محرومی ہے۔ایسی باتوں سے بچنا چاہیے۔ (۳)

تحریر سے فراغت کے بعد اگر کسی تحریر کی نقل ہے تو اصل سے پوری احتیاط کے
ساتھ مقابلہ کرے۔امام یحییٰ بن ابی کثیر اور امام اوزاعی نے فرمایا:

---

(۱) تدریب الراوی، ص/ ۲۸۷ (بتغیر واختصار) المکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ

(۲) ایضا ، ص/ ۲۹۲ - ۲۹۴ ، (بحذف واختصار)

(۳) السنیۃ الانیقۃ فی فتاوی افریقہ للامام العلامہ احمد رضا القادری البریلوی، ص/ ۳۶، رضوی پریس بریلی

من كتب ولم يعارض كمن دخل الخلاء ولم يستنج (۱)

جو لکھنے کے بعد مقابلہ نہ کرے وہ اس شخص کی طرح ہے جو پاخانے سے فراغت کے بعد آب دست نہ لے۔

فائدہ (۳): علم حدیث میں تصنیف وتالیف:

فن حدیث سے متعلق تصنیف وتالیف کا عمل نہ صرف مستحسن بلکہ ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے جس شخص کے اندر اس فن میں تصنیف وتالیف کی لیاقت وصلاحیت رکھی ہو اسے چاہیے کہ اپنی صلاحیت، علم اور استفادہ کے مطابق حسب موقع فن سے متعلق کسی مفید پہلو پر پوری تحقیق اور حزم واحتیاط کے ساتھ تصنیف وتالیف کا کام کرے، جس سے آئندہ نسلیں اپنی علمی پیاس بجھا سکیں اور علمی مشکلات حل کر سکیں۔ اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں: مثلاً ☆ کسی موضوع سے متعلق منتشر معلومات یکجا کر دے ☆ غیر مرتب مجموعہ کو مرتب کر دے ☆ فہرست سے خالی کتابوں کی فہرست مرتب کر دے ☆ جن احادیث کے حوالے مذکور نہ ہوں ان کی تلاش وجستجو اور تحقیق کر کے ان کی تخریج کا کام کر دے۔ کیوں کہ تصنیف وتالیف کے بغیر فن حدیث میں مہارت اور کمال ہونا بہت مشکل ہے۔

امام نووی شرح مہذب میں لکھتے ہیں:

بالتصنيف يطلع على حقائق العلوم و دقائقه و يثبت معه، لأنه يضطره الى كثرة التفتيش و المطالعة والتحقيق والمراجعة والاطلاع على مختلف كلام الأئمة و متفقه، وواضحه من مشكله، وصحيحه من ضعيفه، وجزله من ركيكه، ومالا اعتراض

تصنیف کے ذریعہ مصنف علوم کے حقائق اور باریکیوں سے باخبر ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس میں اسے بھرپور تلاش وجستجو، مطالعہ وتحقیق اور مراجعت کتب کے لئے مجبور ہونا پڑتا ہے، اور کلام ائمہ میں متفق علیہ اور مختلف فیہ، واضح اور مشتبہ، صحیح اور ضعیف، باوزن اور رکیک، کس کلام میں اعتراض واشکال ہے اور کون اس سے خالی اور پاک ہے

---

(۱) تدریب الراوی، ص/۲۹۴، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ

فیہ من غیرہ، وبہ یتصف ان سب باتوں پر مطلع ہونا پڑتا ہے اور اس سے محقق المحقق بصفۃ المجتہد۔ (۱) مجتہدانہ صفت سے متصف ہو جاتا ہے۔

فائدہ (۳): محدثین اکثر الفاظ ادا میں اختصار کرتے اور ان کے لیے اشارات استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً (۱) حَدَّثَنَا کے لئے "ثَنَا" - یا - "نَا"۔ (۲) أَخْبَرَنَا کے لیے "أَنَا" - یا - "أَرَنَا"۔ (۳) حَدَّثَنِي کے لیے "ثَنِي" - یا - "دَثَنِي"۔ لکھتے ہیں البتہ "أَخْبَرَنِي" - أَنْبَأَنِي "اور" أَنْبَأَنَا" کے لیے کوئی اشارہ استعمال نہیں ہوتا۔

(۴) حدیث کی ایک سند سے دوسری سند کی طرف منتقل ہونے کے وقت "ح" لکھتے ہیں، اس کا تلفظ "حا" ادا کیا جاتا ہے، اصطلاح حدیث میں ایک سند سے دوسری سند کی طرف منتقل ہونے کو "تحویل" کہا جاتا ہے۔ (۲)

فائدہ (۵): اختصار کے پیش نظر سند میں راویوں کے ناموں کے درمیان "قال" جیسے الفاظ عموماً نہیں لکھے جاتے، لیکن پڑھتے وقت ان الفاظ کو زبان سے ادا کرنا چاہیے، مثلاً لکھتے ہیں: "حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بنُ يوسف، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ" اس کو یوں پڑھیں گے "قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ"۔

فائدہ (۶): یوں ہی سند کے آخری حصہ میں اختصار کے پیش نظر "أنہ" نہیں لکھا جاتا، لیکن پڑھتے وقت اس کو ادا کرنا چاہیے، مثلاً صحیح بخاری میں ہے: "عن عطاء بن أبي ميمونة، سمع أنس بن مالك" اسے یوں پڑھیں گے: "عن عطاء بن أبي ميمونة أنه سمع أنس بن مالك"۔ (۳) یہ اس لیے ہے تا کہ عربی قواعد کے اعتبار سے کلام صحیح اور مکمل ہو۔

تمّ الکتاب بعون اللہ الملک الوہاب وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمدٍ والہٖ وصحبہٖ اجمعین ۰

---

(۱) تدریب الراوی ، ص/۳۵۳، ۳۵۴

(۲) ایضا ، ص/۳۰۲-۳۰۴، (بحذف واختصار)

(۳) ایضا ، ص/۳۲۳، ۳۲۴، (بحذف واختصار)

SAYYAD MUHAMMED IMAMUDDIN HABIBI AL QADRI
BALACHPURA

مؤلف کی ایک نئی تصنیف
"بردۂ مدحت"
امام شرف الدین بوصیری
رحمۃ اللہ علیہ
کے شہرۂ آفاق ومقبول بارگاہِ رسالت قصیدۂ بردہ شریف
کا سلیس ترجمہ وتشریح اور اس کا علمی، فنی، عروضی وبلاغی تجزیہ،
عمدہ ترتیب، جدید اسلوب اور دیدہ زیب طباعت کے
ساتھ، باذوق طلبہ اور مدرسین کے لئے
نایاب تحفہ